جادو کا شہر

جادو کا شہر

داستان امیر حمزہ

حصّہ نہم

مقبول جہانگیر

پلنگینہ پوش

اِس داستان کے آٹھویں حِصّے "عیّاروں کی حکومت" میں آپ پڑھ چُکے ہیں کہ مرزُوق فرنگی کے ایک پہلوان مالا گرد نے قلعۂ ریحانیہ کا مُحاصرہ کر رکھا ہے، زلزال، لہراسپ اور ضمیران شاہ اُس کے ہاتھوں سخت پریشان ہیں۔ عَلَم شاہ زخمی ہو کر نہ جانے کہاں ہو گیا ہے۔ اس کا کوئی سُراغ نہیں مِلتا۔ امیر حمزہ اپنے ساتھیوں سمیت مُلک فرنگستان کی جانب روانہ ہونے والے ہیں تاکہ سلطان سعد اور عَلَم شاہ کی خبر لیں کہ کِس حال میں ہیں۔ شہزادہ قباد شہریار ایک اَن جانے سفر پر اکیلا روانہ ہو گیا ہے۔

اب ہم آپ کو قلعۂ ریحانیہ کی جانب لیے چلتے ہیں تاکہ دیکھیں مالا گرد کے ہاتھوں ضمیران شاہ اور لہراسپ پر کیا بیتی۔

چوتھے روز مالا گرد نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ قلعۂ ریحانیہ کی مضبوط فصیل میں جگہ جگہ شِگاف پڑ گئے اور دڑاریں آ گئیں۔ ضمیران شاہ کے سپاہی بھاگ گئے۔ لہراسپ اور زلزال نے حد درجہ بہادری اور شجاعت دکھائی اور خاصی دیر تک مالا گرد کو قلعے میں داخل ہونے سے روکے رکھا مگر اِس دوران میں یہ دونوں شدید زخمی ہوئے اور اِس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ قلعے پر مالا گرد کا قبضہ ہو جائے گا۔

یکایک مالا گرد قلعے کے بڑے دروازے کے سامنے نمودار ہُوا اور بُلند آواز سے کہنے لگا۔

"اے ضمیران شاہ، اب بھی قلعے کا دروازہ کھول دے۔ تو جانتا ہے کہ میں جو کہتا ہُوں، وہی کرتا ہُوں۔ میں تیرا قصور مرزُوق سے کہہ سُن کر معاف کروا دُوں گا۔"

مالا گرد کی للکار سُن کر ضمیران شاہ کا خُون خُشک ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ یہ مالا گرد بُری بلا ہے۔ اِس کے ہاتھوں جان بچانا محال ہے۔ بہتر ہے

قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے۔

لہراسپ نے جھلّا کر ایک دھپ ضمیران شاہ کے سر پر مارااور کہا۔ ”اگر اب تُو نے دروازہ کھولنے کا نام لیا تو خُدا کی قسم میں تلوار تیرے سینے میں گھونپ دُوں گا۔ تُو نے بزدلی کی حد کر دی ہے۔ مالاگرد ہماری لاشوں پر سے گُزر کر ہی قلعے میں جا سکتا ہے۔ خُدا سے دُعا کرو کہ مدد بھیجے۔ وُہ ضُرور ہماری فریاد کو سُنے گا۔“

ابھی لہراسپ کی زبان سے یہ الفاظ بمُشکل ادا ہُوئے تھے کہ مالاگرد کے سپاہیوں نے اندھا دُھند بھاگنا شروع کر دیا۔ اُسی وقت ایک سپاہی ہانپتا ہُوا آیا اور لہراسپ سے کہا۔

”عجب تماشا ہے۔ مالاگرد کی فوج بدحواس ہو کر میدان چھوڑ رہی ہے۔ معلُوم ہوتا ہے کِسی طاقت ور غنیم نے اُس کی پُشت پر حملہ کر دیا ہے۔“

یہ سُنتے ہی لہراسپ نے زبردست نعرہ لگایا اور فصیل پر چڑھنے لگا۔ زلزال اور

ضمیران شاہ اُس کے پیچھے ہی تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سیاہ رنگ کے خوب صُورت گھوڑے پر ایک نقاب دار سوار ہے۔ اُس کے ہاتھ میں خُون سے بھری ہوئی تلوار ہے اور وُہ بجلی بجلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مالا گرد کے آدمیوں پر حملہ کر رہا ہے۔ نقاب دار کے ساتھ کئی ہزار سپاہی بھی ہیں اور سب کے سب نقاب پوش ہیں۔

سپاہیوں کو مارتا کاٹتا یہ پُراسرار نقاب دار مالا گرد کے قریب آن پہنچا اور گرج کر کہا۔ "او ڈاکو، تیری کیا مجال کہ اِس قلعے کے اندر اپنے ناپاک قدم بھی رکھ سکے۔ اگر مرد ہے تو اِدھر آ اور مجھ سے دو دو ہاتھ کر تا کہ تجھے آٹے دال کا بھاؤ معلُوم ہو۔"

اِس للکار سے مالا گرد چونکا اور نقاب دار کی جانب دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے؟ اِتنے میں نقاب دار نے مالا گرد کے گھوڑے پر لات ماری۔ گھوڑا ہنہناتا ہُوا چھ قدم پیچھے ہٹ گیا۔ یہ دیکھ کر مالا گرد کے طیش کی اِنتہا نہ رہی۔ چِلّا کر کہنے لگا۔

”اے برقع پوش، کیا تیری قضا نے پُکارا ہے کہ یہاں آن ہُوا؟ ذرا دیکھوں، تُو کیا بہادُر ہے۔ جِس طرح جی چاہے حملہ کر۔“

”حملے میں پہل کرنا ہمارا قاعدہ نہیں۔“ نقاب دار نے کہا۔ ”ہم خُدا پرست ہیں۔ تجھ کو بھی لازم ہے کہ زرّیں تن پر لعنت کر۔“

یہ سُننا تھا کہ مالا گرد نے غضب میں آ کر تلوار ماری۔ نقاب دار نے خالی دی اور اپنا وار کیا۔ مالا گرد نے ڈھال میں مُنہ چھپایا لیکن نقاب دار کی تلوار نے ڈھال کو کاٹا اور مالا گرد کے سر میں لگی۔ دو اُنگل گہرا زخم آیا۔ مالا گرد کے حلق سے ایک ہولناک چیخ نِکلی اور وُہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے گِرا۔ اُسی وقت چند سپاہی دوڑے اور اپنے سپہ سالار کو اُٹھا کر لے گئے۔ پھر ہزاروں نے ایک دم ہلّا کر کے نقاب دار کو گھیر لِیا۔ وُہ ذرا نہ گھبرایا اور اِطمینان سے دونوں ہاتھوں میں تلواریں لیے شیر کی طرح لڑتا رہا۔

اِدھر لہراسپ نے یہ کارروائی دیکھی تو ضمیران شاہ سے کہا۔ ”اب تُو کھڑا کیا سوچتا ہے؟ جلد نقاب دار کی مدد کو پہنچ۔“

ضمیر ان شاہ اپنی فوج لے کر قلعے سے باہر نِکلا اور مالا گر د کی فوج پر جا گرا۔ اُس نے اِس شدّت سے حملہ کیا کہ دُشمن کے قدم اُکھڑ گئے۔ یُوں بھی مالا گر د کے زخمی ہونے سے اُس کی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ اب جو ضمیر ان شاہ کے آدمیوں نے پُوری قُوّت سے حملہ کیا تو مالا گر د کے سپاہی قلعے سے دُور بھاگے، اور ایک دم جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔

نقاب دار نے اِس دوران میں دُشمن کے چھکّے چھُڑا دیے تھے۔ وُہ جِدھر کا رُخ کر تا تھا، پرے کے پرے صفا کر تا چلّا جاتا اور مالا گر د گئے سپاہی اُس سے ڈر کر بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگتے۔

جب جنگ ختم ہو گئی اور میدان میں بے شمار لاشوں اور زخمی سپاہیوں کے سوا کُچھ باقی نہ رہا تب لہراسپ آیا اور نقاب دار کو جھک کر سلام کرنے کے بعد بولا۔

”آپ کا ہم لوگوں پر بڑا اِحسان ہے کہ عین وقت پر مدد کے لیے تشریف لائے۔ مگر یہ تو فرمایئے آپ ہیں کون؟ اپنے غُلاموں کو ذرا نقاب اُٹھا کر شکل

مُبارک تو دِکھایئے۔"

یہ سُن کر نقاب دار ہنسا اور کہنے لگا۔ "اے لہراسپ میں نے ایسی کون سی بات کی ہے جِس کا ذکر نہیں کرتے ہو؟ تمہاری مدد کو پہنچنا تو میرا فرض تھا۔ کیوں کہ تُم بھی خُدا پرست ہو اور میں بھی خُدا پرست ہُوں۔ ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کوئی بھائی دوسرے بھائی کو مُصیبت میں دیکھ کر آرام سے نہیں بیٹھ سکتا۔"

لہراسپ نے نقاب دار کے قدم چُومے اور عاجزی سے کہا۔ "بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں مگر خُدا کے لیے اپنا نام تو بتاتے جایئے۔"

یہ سُن کر نقاب دار نے کہا "میرا نام عامِر بن امیر حمزہ ہے۔ خُدا کے حکم سے اِس وقت تمہاری مدد کو پہنچا۔ اِس بات کا ذکر کِسی سے نہ کرنا۔ خُدا حافظ۔"

یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ نقاب دار کے ساتھی بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے اور پلک جھپکتے میں نظروں سے غائب ہو گئے۔

مالا گرد کے آدمی قلعے سے پانچ کوس کے فاصلے پر جا کر رُکے۔ یہاں اُنہوں نے مالا گرد کے زخم میں ٹانکے لگائے اور طے پایا کہ مالا گرد اچھّا ہو لے تو پھِر جیسا مناسب ہو گا، ویسا کیا جائے گا۔

اب عَلَم شاہ کی سُنیے کہ مالا گرد کے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد اُس پر کیا گُزری۔

جب اُس کی پیشانی پر گہرا زخم آیا اور خُون خاصی بڑی تعداد میں نِکل گیا تو عَلَم شاہ پر غشی طاری ہُوئی۔ عین اُسی لمحے دُشمنوں نے عَلَم شاہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی اور مُمکن تھا کہ وُہ وہیں مارا جاتا کہ وفادار گھوڑے نے خطرے کی بُو پائی اور اپنے آقا کو لے کر ایک طرف بھاگا۔ کوسوں دُور ایک خُوش نما باغ میں جا کر رُکا اور گھاس چرنے لگا۔ پھر ایک تالاب پر گیا اور جی بھر کر پانی پیا۔ اِس کے بعد عَلَم شاہ کو جھٹکا مار کر اپنی پیٹھ سے نیچے گھاس پر گِرا دیا۔ وُہ اُس وقت تک ہوش میں نہ آیا تھا۔

اتفاقاً اُس طرف سے ایک زمیندار کا گُزر ہُوا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک خُوب

صُورت جوان خُون میں تر بتر بے ہوش پڑا ہے۔ اُس کا گھوڑا بھی قریب ہی گھاس چر رہا ہے۔ اُس نے گھوڑے کو پکڑا اور عَلَم شاہ کو اُس کی پیٹھ پر لاد کر اپنے گھر لے گیا۔ پھِر جرّاح کو بُلوا کر عَلَم شاہ کا زخم دُھلوایا اور اُس میں ٹانکے لگوا کر پٹّی باندھ دی۔

جب عَلَم شاہ کو ہوش آیا تو زمیندار نے پُوچھا۔ ”اے جوان، سچ بتا تُو کون ہے اور تجھے کِس نے زخمی کیا؟“

”بھائی، میں ایک سوداگر ہُوں۔ قزّاق میرا مال و اسباب لُوٹ کر لے گئے اور مجھ کو بھی زخمی کیا۔“

زمیندار نے بڑی ہمدردی ظاہر کی اور کہا۔ ”گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

چند روز کے اندر اندر عَلَم شاہ کا زخم اچھّا ہو گیا۔ کبھی کبھی وُہ سیر کو بھی جانے لگا۔ ایک روز پھِرتا پھِراتا صحرا میں پہنچا۔ وہاں ایک بُہت بڑا باغ دِکھائی دیا۔

جِس میں انار کے اَن گِنت درخت لگے ہوئے تھے اور ہر درخت سُرخ سُرخ اناروں سے لدا ہُوا تھا۔ عَلَم شاہ باغ کی سیر کرنے لگا مگر انار توڑ کر نہ کھایا۔

یکایک پیچھے سے لوہے کی زنجیر کے کھڑکنے کی آواز آئی۔ عَلَم شاہ نے مُڑ کر دیکھا۔ ایک دِیوانہ زنجیر گلے میں ڈالے اور ہاتھ میں بھاری لکڑی لیے دوڑا آتا تھا۔ وُہ عَلَم شاہ کے نزدیک آن رُکا اور چِلّا کر بولا۔

"اے بے وقوف، تُو کون ہے اور تجھے اِس باغ میں گھسنے کی جرأت کیوں کر ہُوئی؟ اب میں تجھے ضُرور مار ڈالوں گا۔ میں ہر روز ایک نہ ایک آدمی کو ہلاک کرتا ہُوں۔ آج تیری باری ہے۔"

عَلَم شاہ نے مُسکرا کر کہا۔ "ارے بھائی، میری خطا تو بتاؤ۔ یا یونہی بے خطا مار ڈالو گے؟"

دِیوانہ کہنے لگا۔ "اگر میں بروقت نہ آتا تو تُم ضُرور انار توڑ کر کھا جاتے اور مُمکن ہے بہُت سے انار اپنے ساتھ بھی لے جاتے۔ معلُوم ہوتا ہے تُم کوئی چور

ہو۔"

"کیا کہتا ہے؟" عَلَم شاہ نے غُصّے سے کہا۔ "ہم تجھے چور اُچکّے نظر آتے ہیں؟"

یہ سُن کر دِیوانے نے وُہ لکڑی عَلَم شاہ کے ماری۔ عَلَم شاہ نے بائیں ہاتھ سے لکڑی پکڑ کر چھین لی۔ دِیوانہ اب عَلَم شاہ سے لپٹ گیا اور کُشتی ہونے لگی۔ عَلَم شاہ جب بھی اُسے گھُونسا مارتا، وُہ بھیڑیے کی طرح دانت نِکال کر عَلَم شاہ کی کلائی یا گردن میں کاٹنے کی کوشش کرتا۔ یہ دیکھ کر عَلَم شاہ نے اُس کے چہرے پر ایسا گھُونسا مارا کہ پُوری بتّیسی باہر آ گئی اور وُہ چیخیں مارتا ہُوا بھاگا۔ مگر عَلَم شاہ نے اُسے دوبارہ پڑھ لیا اور زمین پر گرا کر اپنا گھُٹنا اُس کے سینے پر رکھا اور زور لگایا تو دِیوانے کی آنکھیں اور زبان باہر آ گئی۔ اُس نے گِڑگِڑا کر کہا۔

"مجھے معاف کر دے۔ آیندہ ایسی حرکت نہ کروں گا۔" عَلَم شاہ نے اُسے چھوڑ دیا۔

دِیوانہ کہنے لگا۔ "تجھ سا شہ زور آدمی آج ہی دِیکھا ہے، میرا نام مسرُوق ہے

اور میں اِس مُلک کے بادشاہ مرزُوق فرنگی کا حقیقی بھائی ہُوں۔ میرے پاس تیس ہزار دِیوانوں کا لشکر ہے۔ ایک مرتبہ میں نے خواب میں کِسی بزُرگ کو دیکھا تھا۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ اے مسرُوق، تجھے رُوم سے آنے والا ایک جوان زیر کرے گا اور اُس کا نام عَلَم شاہ بِن امیر حمزہ ہو گا۔"

"میرا ہی نام عَلَم شاہ بِن حمزہ ہے؟"

یہ سُنتے ہی مسرُوق دِیوانہ جھٹ اُس کے قدموں پر گِرا اور کہنے لگا۔ "آج سے میں آپ کا غُلام۔ آیئے میرے گھر چلیے۔"

عَلَم شاہ نے اُسے کلمہ پڑھا کر پہلے دینِ ابراہیمی میں داخل کیا پھر اُس کے گھر گئے۔ مسرُوق کے دِیوانوں نے دیکھا کہ ایک نیا آدمی آتا ہے تو سب کے سب غُل مچاتے ہُوئے آئے اور عَلَم شاہ کو گھیر کر مارنے کا اِرادہ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر مسرُوق نے سب کو ڈانٹا اور کہا۔

"یہ کیا کرتے ہو؟ اِس جوان سے کوئی جیت نہ سکے گا۔"

عَلَم شاہ نے سب دِیوانوں کو دینِ ابراہیمی میں داخل کیا اور کئی روز تک مسرُوق کا مہمان رہا۔ پھر اِجازت طلب کی کہ اب قلعۂ ریحانیہ کو جاتا ہُوں۔ نہ جانے میرے دوست کِس حال میں ہُوں گے۔

مسرُوق نے کہا۔ ''اب میں آپ سے الگ نہ ہُوں گا۔ میرا جینا مرنا آپ کے ساتھ ہے۔''

چنانچہ عَلَم شاہ مسرُوق اور اُس کے تیس ہزار دِیوانے قلعۂ ریحانیہ کی جانب روانہ ہوئے۔

اُدھر قلعۂ قُلّاب میں ایک دِن سُلطان سعد کو خبر مِلی کہ شہزادہ عَلَم شاہ مالا گرد کے ہاتھوں زخمی ہو کر غائب ہو گیا ہے۔ لہراسپ اور زلزال بھی زخمی ہوئے ہیں اور اب ضمیران شاہ قلعہ بند ہو کر مالا گرد سے لڑ رہا ہے۔ یہ خبر سُن کر سعد بے چین ہُوا اور اشقش سے کہنے لگا۔

''تُم یہیں رہو۔ میں قلعۂ ریحانیہ پر جا کر مالا گرد کی خبر لیتا ہُوں۔''

اشقش نے ہر چند سمجھایا کہ آپ کا جانا مُناسب نہیں مگر سعد نہ مانا اور پانچ ہزار سوار لے کہ تیزی سے روانہ ہُوا۔ اِدھر مالا گرد پلنگینہ نقاب دار کے ہاتھوں مار کھا کر قلعۂ ریحانیہ سے پانچ کوس دُور ایک پہاڑ کے دامن میں بیٹھا اپنے زخم چاٹ رہا تھا کہ ناگہاں ایک رات سعد نے اُن پر شب خُون مارا اور آناً فاناً کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ مالا گرد بھی اِس اثنا میں کُچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ اُس کو خبر مِلی کہ شب خُون مارنے والا سُلطان سعد ہے تو وُہ جلدی سے ہتھیار باندھ کر گھوڑے پر بیٹھا اور سعد سے مُقابلہ کرنے آیا۔

اُس وقت کوئی دو گھڑی رات باقی تھی۔ سعد نے کہا اگر صُبح ہو گئی تو بڑا غضب ہو گا۔ اِس وقت تاریکی میں مالا گرد کے سپاہی آپس میں ہی ایک دوسرے کو دُشمن سمجھ کر لڑ رہے ہیں مگر صُبح کے اُجالے میں دوست دُشمن کی تمیز ہو جائے گی۔ اِس لیے اب یہاں سے نِکل جانا چاہیے۔ لیکن نکلتے نکلتے بھی صُبح ہو ہی گئی۔ مالا گرد کے سپاہیوں نے دیکھا کہ سعد ایک طرف گھوڑا دبائے چِلّا جاتا ہے۔ وُہ چاروں طرف سے اُسے گرفتار کرنے کے لیے دوڑے۔ سعد نے

بُہت سوں کو مارا، زخمی کیا۔ مگر اکیلا آدمی ہزاروں کا مُقابلہ کہاں تک کرتا۔ اُس کے اپنے سپاہی تِتّر بِتّر ہو چُکے تھے۔

مالا گرد کے آدمیوں نے کمند پھینک پھینک کر سعد کو پکڑ لیا۔ اُسے پکڑ کر مالا گرد کے پاس لے گئے اور بولے۔

"اب اِس قیدی کو سیدھے مرزُوق کے پاس لے چلیے ضمیران شاہ تو قلعہ بند ہے اور عَلَم شاہ کا اِس وقت تک کہیں پتا نہیں۔ ابھی آپ کے زخم بھی اچھّی طرح ٹھیک نہیں ہوئے ہیں۔ جب کامل صحّت ہو، تب آن کر قلعہ ریحانیہ پر قبضہ کر لینا۔"

مالا گرد نے یہ تجویز بے حد پسند کی اور حکم دیا کہ لوہاروں کو بُلاؤ۔ لوہار آئے اور سعد کے ہاتھوں پیروں اور گردن میں زنجیریں پہنائیں۔ پھر وہاں سے کُوچ کیا۔

مالا گرد کے سرداروں نے کہا۔ "جلد یہاں سے چلیے، ایسا نہ ہو کہ وُہ نقاب دار

پھر آ جائے۔"

نقاب دار کا سُن کر مالا گرد کی روح فنا ہوتی تھی۔ کہنے لگا۔ "سچ کہتے ہو۔ نہ معلُوم وُہ کون تھا کہ ہماری فتح کو شکست میں بدل کر چلاّ گیا۔ مُمکن ہے وُہ سعد کو رہا کرانے بھی آ جائے۔ اب میں خُود قیدی کی نگرانی کروں گا۔"

مالا گرد رات رات بھر جاگتا اور سعد کی نگرانی کرتا رہا۔ آخر کئی منزلیں طے کرنے کے بعد یہ لوگ افروقیہ میں پہنچے۔ مالک افروقیہ کو خبر ہُوئی کہ مالا گرد فرنگی سُلطان سعد کو گرفتار کر کے لاتا ہے تو وُہ جلدی سے تیّار ہُوا، شہر سے باہر گیا اور مالا گرد کا اِستقبال کیا۔ اپنے محل میں لے جا کے زور دار دعوت کی۔ جب کھا پی کر فارغ ہوئے تب مالا گرد نے الفت سے لے کر یے تک تمام داستان مالک افروقیہ کو سُنائی۔ پلنگینہ نقاب دار کا خاص طور پر ذکر کیا کہ ہر لمحہ اُس کے آ جانے کا ڈر ہے۔ مالک افروقیہ ہنس کر کہنے لگا۔

"میری صلاح یہ ہے کہ سعد کو میرے پاس چھُوڑ جایئے۔ میں اِس کی اچھّی طرح حفاظت کروں گا اور آپ جا کر مرزُوق کو اطلاع دیجیئے یا وُہ زیادہ فوج

بھیج کر قیدی کو بُلوا لے گا یا یہیں سے اُس کا سر کاٹ کر منگوائے گا۔ قیدی کو اِتنی دُور مرزُوق کے پاس اِن حالات میں لے جانا خطرناک ہے۔ آپ کے پاس سپاہی بھی کم ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وُہ پراسرار نقاب دار راستے میں دھاوا بول دے۔"

مالاگرد کو یہ تدبیر پسند آئی۔ اُس نے چند روز وہاں قیام کیا اور پھر سلطان سعد کو مالک افروقیہ کے سپُرد کر کے مرزُوق فرنگی کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ اُسے سارا حال کہہ سُنایا۔ مرزُوق نے مالاگرد کی پیٹھ ٹھونکی اور خُوب شاباش دی اور کہا۔

"اے پہلوان، تُو نے خُوب کام کیا۔ میں تجھ سے بے حد خُوش ہُوں اور آیندہ سے آلاگرد کی جگہ فوجوں کی سپہ سالاری تیرے سپرد کرتا ہُوں۔ اب تُو یہیں میرے پاس آرام کر۔ سعد کا سر لانے کے لیے میں کِسی اور کو روانہ کر دیتا ہُوں۔"

مالاگرد نے جھک کر مرزُوق کو سلام کیا، اُس کے پاؤں پکڑے اور اپنی کرسی

پر جا بیٹھا۔ مرزُوق فرنگی نے غوری پہلوان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”اسے غوری، تجھے ہم نے بُہت دِن سے کوئی کام نہیں بتایا۔ تُو بیکار پڑا روٹیاں توڑ رہا ہے۔ اپنی فوج لے کر افروقیہ جا اور سُلطان سعد کا سر کاٹ کر ہمارے حضُور میں پیش کر۔“

غوری نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”جہاں پناہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ اِس غُلام کی جان آپ پر نثار ہے۔ ابھی جاتا ہُوں۔“

آپ کو یاد ہو گا کہ آلا گرد سپہ سالار کو مرزُوق فرنگی نے قلعۂ قُلّاب پر حملہ کرنے بھیجا تھا۔ اب کُچھ حال اُس کا بھی سُنئے۔ یہ واقعہ سُلطان سعد کی قلعۂ قُلّاب سے ریحانیہ کو روانگی کے بعد کا ہے۔ جب آلا گرد کے آنے کی خبر اشقش کے کانوں تک پہنچی تو اُس نے شہزادی گوہر بند سے کہا۔

”بڑا غضب ہُوا۔ آپ کے والد نے آلا گرد سپہ سالار کو مرزُوق فرنگی نے بھیجا ہے تا کہ آپ کو گرفتار کر کے لے جائے۔“

شہزادی گوہر بند یہ سنتے ہی گھبرا گئی اور کہا۔ ”اے اشقش، یہ تُونے بُری خبر سُنائی۔ ابّا جان کا سامنا کرنے کی مجھ میں ہمّت نہیں ہے۔ اُن کا غُصّہ مشہور ہے۔ وُہ تو مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ میں قلعہ آہن حصار میں سمینہ بانو کے پاس چلی جاؤں۔ ہم دونوں پر جو گُزری وُہ ایک ساتھ ہی گُزرے گی۔“

اشقش نے ہر چند سمجھایا کہ یہ خیال بھی دِل میں نہ لائیے۔ اگر راستے میں آلا گرد کے آدمیوں نے آپ کو گھیر لِیا تو بڑا غضب ہو گا۔ یہ قلعہ بڑا مضبوط ہے اور اِس کی فصیل توڑنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔ قلعے کے اندر خوراک کی بھی کمی نہیں ہے۔ آلا گرد چاہے مہینوں محاصرہ کیے رہے، ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

لیکن شہزادی گوہر بند نے اشقش کی کِسی نصیحت پر کان نہ دھرا اور قلعہ آہن حصار میں سمینہ بانو کے پاس جانے کی ضِد کرتی رہی۔ آخر اشقش مجبور ہُوا اور ساٹھ ہزار ہتھیار بند سوار ہمراہ لے کر قلعہ کے دُوسرے دروازے سے

نِکلا۔

اُدھر غوری پہلوان افروقیہ پہنچا تو مالک افروقیہ نے اِستقبال کیا۔ حال پُوچھا کہ کیسے تشریف لائے؟ تب غوری نے مرزُوق کا ایک خط نِکال کے مالک افروقیہ کو دکھلایا جس میں لکھا تھا کہ غوری پہلوان ہماری اِجازت سے تمہارے پاس آتا ہے۔ ہم نے اِسے حکم دیا ہے کہ سعد کا سر کاٹ کر لائے۔ اب تُم اِسے سعد کا سر کاٹ لینے دو۔

مالک افروقیہ یہ خط پڑھ کر خاموش ہو رہا۔ دِل میں سعد کی جوانی پر افسوس کیا کہ ایسا خُوب صُورت اور دلاور جوان یُوں مارا جاتا ہے۔ پھر غوری سے کہنے لگا۔

”آپ دُور سے سفر کر کے آئے ہیں۔ تھکے ہُوئے ہیں۔ قیدی کہیں بھاگا نہیں جاتا۔ جب جی چاہے سر کاٹ لیجیے۔ آپ کے لیے ایک خُوش نما باغ خالی کرا دیا ہے۔ اُس میں چند روز آرام فرمائیے۔“

غوری پہلوان اپنے پچاس ہزار سواروں کے ساتھ اُس باغ میں اُترا اور عیش کرنے لگا۔ اُدھر مالک افروقیہ نے سعد سے جا کر کہا۔

”مرزُوق فرنگی نے تیرا سر کاٹنے کے لیے غوری پہلوان کو بھیجا ہے۔ اُسے میں نے باغ میں ٹھہرایا ہے۔ اب تُو مرنے کے لیے تیّار ہو جا۔“

سعد نے اِطمینان سے کہا ”اے مالک، میرا اِس میں کیا دخل ہے۔ جو مرضی پروردگار کی ہو گی، وہی ہو گا۔“

ساتویں روز غوری نے مالک افروقیہ سے کہا۔ ”میں بُہت آرام کر چُکا۔ اب اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنے کا اِرادہ ہے۔ کِسی اچھّے سے جلّاد کو حکم دے کہ قیدی کا سر اُتارے۔ میں خُود بھی آتا ہُوں۔“

سپاہی سعد کو قید خانے سے نِکال کر ایک کھلے میدان میں لے گئے۔ لاکھوں آدمی یہ تماشا دیکھنے کے لیے میدان میں پہنچ گئے تھے۔ ایک حبشی جلّاد کئی من وزنی کلہاڑا کندھے پر رکھے ہوئے آیا۔ اُس نے سعد کی آنکھوں پر پٹّی

باندھنی چاہی مگر سعد نے اِنکار کر دیا۔ غوری پہلوان بھی اپنے سواروں سمیت بڑی دھُوم دھام سے وہاں آیا اور سعد کے قریب جا کر کہنے لگا۔

"اے قیدی، اپنی جوانی پر ترس کھا۔ ابھی تُو نے دُنیا میں دیکھا ہی کیا ہے جو مرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اگر اب بھی خدائے زرّیں تن کے سامنے گردن جھکا دے تو میں مرزُوق سے سفارش کر کے تیرا قصور معاف کرا دُوں گا۔"

سعد نے چِلّا کر کہا۔ "میں تجھ پر، مرزُوق پر اور تیرے خدائے زرّیں تن تینوں پر لعنت بھیجتا ہُوں۔"

اِتنے آدمیوں کے سامنے غوری اپنی اِس توہین پر غُصّے سے آگ بگولا ہو گیا۔ تلوار نِکال کر سعد پر لپکا اور کہنے لگا۔ "حبشی جلّاد کے بجائے میں تجھے قتل کروں گا۔"

یہ کہہ کر پوری قُوّت سے تلوار ماری۔ سعد نے ہتھکڑی سامنے کر دی اور خُدا کو یاد کیا۔ اِتّفاق ایسا ہُوا کہ غوری کی تلوار سے زنجیر کٹ گئی۔ اب سعد نے

نعرہ لگا کر زور کیا تو باقی زنجیریں بھی تُڑ تڑ ٹُوٹ گئیں۔ یہ دیکھ کر غوری کا دم نِکل گیا۔ بھاگنے کا اِرادہ کیا۔ مگر سعد نے پکڑ لیا اور ایک پٹخنی ایسی دی کہ غوری کی ہڈّیاں پسلیاں کڑ کڑا گئیں اور وُہ وہیں مر گیا۔ سعد نے جلدی سے اُس کی تلوار پر قبضہ کیا اور چیخ کر کہا۔

"اگر کِسی نے آگے بڑھنے کی جرأت کی تو کاٹ کر ڈال دُوں گا۔"

سعد کی آواز سُن کر کئی لاکھ کے مجمع کو سانپ سُونگھ گیا۔ لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ البتّہ غوری کے سپاہیوں نے حملہ کیا۔ تلوار چلنے لگی۔ سعد اکیلا تھا اور جو شخص اُس کی تلوار کی زد میں آتا جان سلامت لے کر نہیں جاتا۔ لڑتے لڑتے کئی گھڑیاں بیت گئیں۔ اب سعد بھی آہستہ آہستہ زخمی ہو رہا تھا اور اُس کے بازوؤں میں تھکن کے آثار اُبھر رہے تھے۔ دِل میں برابر دُعا کر رہا تھا کہ یاالٰہی، اِن کافروں سے مجھ کو بچا۔

یکایک پہاڑ کی جانب سے ایک لشکر جرّار آیا۔ سب کے چہرے نقابوں میں چھُپے ہوئے تھے۔ لشکر کے آگے آگے ایک شخص سفید برّاق گھوڑے پر سوار

آندھی کی رفتار سے اڑا آرہا تھا۔ یہ پلنگینہ نقاب دار اور اُس کے سپاہی تھے۔ اُنہوں نے آتے ہی اللہ اکبر کا ایسا نعرہ مارا کہ زمین تھرّا گئی اور آسمان کانپ اُٹھا۔ پھِر پلنگینہ نقاب دار نے مالک افروقیہ کے اور غوری پہلوان کے آدمیوں کو تلوار کی باڑھ پہ دھر لِیا اور ایسا قتلِ عام کیا کہ خُدا کی پناہ۔

سعد نے جُونہی یہ غیبی امداد دیکھی اور نعرہ اللہ اکبر کا سُنا، اُس کا خُون بھی سیروں کے حساب سے بڑھ گیا۔ اِتنے میں نقاب دار دُشمنوں کی صفوں کو چِیر تا پھاڑ تا سعد کے نزدیک آیا اور کہنے لگا۔

"اے سعد، گھبرانا نہیں۔ میں اللہ کے حکم سے تیری مدد کو آن پہنچا۔ اِتنا جان لے کہ تیرے باپ کا دوست ہُوں۔ یہ کافر تیرا کُچھ نہیں بِگاڑ سکتے۔"

سعد نے غور سے نقاب دار کو دیکھا۔ پھِر کہنے لگا۔ "آپ میرے بزُرگ ہیں۔ آپ نے تشریف لا کر مجھ پر بڑا اِحسان کیا ہے۔ لیکن یہ کیا بات کہی کہ گھبرانا نہیں۔ آپ نے مُلاحظہ فرمایا کہ مجھ کو کہیں پر بھی خوف زدہ پایا۔"

نقاب دار نے ہنس کر کہا۔ ”سعد بیٹا، اِتنی سی بات کا بُرا مان گئے۔ وُہ تو میں نے یُونہی ایک بات کہی تھی تُم جیسا بہادُر، شہہ سوار اور جرّی نوجوان رُوئے زمین پر نہ ہو گا۔“

اِدھر مالک افروقیہ نے پلنگینہ نقاب دار کو دیکھا کہ بڑا زبردست پہلوان ہے۔ اُس نے آتے ہی لاشوں پر لاشیں گرا دی ہیں۔ اِس سے لڑنا چاہیے۔ اُسی وقت اپنے گھوڑے کو چمکا کر نقاب دار کے سامنے آیا اور پُکار کر کہا۔

”او نقاب دار، ہوشیار کہ تیری موت آن پہنچی۔“

یہ کہہ کر تلوار ماری۔ نقاب دار نے ڈھال پہ وار روکا۔ پھِر آگے بڑھ کر مالک افروقیہ کی کلائی پر ہاتھ ڈال کر تلوار چھین لی اور کمر پکڑ کر گھوڑے کی پُشت سے اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ مالک کے مُنہ سے خُون اُبلنے لگا۔ اِتنے میں نقاب دار نے اپنی تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی اور کہا۔

”بول، اب کیا کہتا ہے؟“

مالک نے امان طلب کی۔ نقاب دار نے جان بخش دی۔ تب لڑائی موقوف
ہُوئی۔ مالک نے اُٹھ کر نقاب دار کے قدم چُومے اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"اب آپ میرے شہر میں تشریف لے چلیے اور مجھے میزبانی کا شرف عطا
فرمایئے۔"

غرض مالک افروقیہ سُلطان سعد اور نقاب دار کو لے کر شہر میں آیا اور سب
دینِ ابراہیمی میں داخل ہوئے۔ خُداوندِ زرّیں تن کے بُت پاش پاش کیے اور
تمام مندر توڑ ڈالے۔

ایک دِن سعد نے ہاتھ باندھ کر نقاب دار سے کہا کہ اب اپنا چہرہ مُبارک
دکھایئے۔ اِس بات پر نقاب دار کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اُس نے سعد
کو گلے سے لگا کر کہا۔

"بیٹا، ابھی مصلحت نہیں ہے۔ صبر سے کام لو۔ چند روز میں تُم پر سب کُچھ
ظاہر ہو جائے گا۔ اب میں رُخصت ہوتا ہُوں۔"

سعد بھی رو پڑا، پھر کہنے لگا۔ ”مجھے آپ کی پل بھر جُدائی بھی شاق ہے۔ کیا آپ پھر کبھی مِلیں گے؟“

”میں کبھی کبھی تمھیں دیکھنے آیا کروں گا۔“ نقاب دار نے محبّت سے کہا۔ پھِر مالک افروقیہ کی طرف رُخ کر کے کہنے لگا۔ ”خبر دار، کان کھول کر سُن اگر تُو نے سعد کو تکلیف پہنچائی اور مجھ تک خبر پہنچی تو یہ سمجھ لینا کہ تیری نسل میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

نقاب دار کی یہ بات سُن کر مالک افروقیہ خوف سے لرز گیا۔ کیوں کہ وُہ سچے دِل سے دینِ ابراہیمی پر ایمان نہ لایا تھا اور صرف جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ وُہ یہ سوچ رہا تھا کہ نقاب دار یہاں سے جائے تو سعد کو بے ہوش کر کے مرزُوق فرنگی کے پاس بھیجے۔ اب جو اُس نے نقاب دار کا یہ جملہ سُنا تو دوڑ کر قدموں پر گِرا اور رو رو کر کہنے لگا۔

”حضُور میری کیا مجال جو سعد کو تکلیف پہنچاؤں۔ میں آپ کا بھی غُلام ہُوں اور سعد کا بھی۔ سچ یہ ہے کہ پہلے میرے دِل میں بے ایمانی تھی۔ مگر اب سچّے

دِل سے کلمہ پڑھتا ہُوں۔"

اِس مرتبہ مالک افروقیہ نے سچ کہا تھا۔ جب نقاب دار سعد سے رُخصت ہو کر اپنے ساتھیوں سمیت چلاّ گیا تو مالک افروقیہ نے سعد سے کہا۔ "آپ تخت پر بیٹھیے۔ کیوں کہ وُہ آپ ہی کو زیب دیتا ہے۔ میں آپ کے سامنے تخت پر ہر گز نہ بیٹھوں گا۔"

سعد نے مُسکرا کر کہا۔ "اے مالک، تیرا تخت تجھی کو مُبارک رہے۔ مجھ کو بادشاہی کی ہوس نہیں ہے۔ چند روز یہاں رہ کر چلاّ جاؤں گا۔"

ایک دِن مالک افروقیہ نے سعد سے کہا کہ مُخبر نے خبر دی ہے کہ مرزُوق فرنگی کے سپہ سالار آلا گرد پہلوان نے قلعۂ قُلاب کا مُحاصرہ کیا ہے اور شہزادی گوہر بند خوف کے مارے قلعۂ قُلاب سے نِکل کر قلعۂ آہن حِصار کو جاتی تھی کہ راستے میں آلا گرد نے اُسے گھیر لیا۔

اِتنا سُننا تھا کہ سعد بے چین ہو گیا۔ مالک سے کہا کہ ابھی ایک گھوڑا مجھے دو۔

میں شہزادی گوہر بند کو آلا گرد سے بچانے جاتا ہُوں۔

مالک افروقیہ گھبرا کر کہنے لگا۔ ”اے شہزادے، میں نے سُنا ہے کہ چار لاکھ فوج آلا گرد کے ساتھ ہے اور آپ اکیلے ہیں۔ اِتنے بڑے لشکر سے کیوں کر لڑیں گے۔ آلا گرد بڑا قوی پہلوان ہے اور اُس کی تلوار سے کہیں پناہ نہیں ہے۔“

سعد نے جھنجھلا کر کہا۔ ”اے مالک، مجھے اِس سے بحث نہیں ہے کہ آلا گرد کِتنا قوی ہے اور اُس کے پاس کتنی فوج ہے۔ میرا بھروسا اپنے خُدا پر ہے۔ وہی کوئی صُورت آلا گرد پہ قابُو پانے کی نِکالے گا۔ میں ہر صورت میں شہزادی گوہر بند کو بچانے جاؤں گا۔“

جب مالک افروقیہ نے دیکھا کہ سعد کِسی طرح بھی جائے بغیر نہ مانے گا تو اُس نے کہا۔ ”بُہت اچھّا، میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہُوں۔ جہاں آپ کا پسینہ گِرے گا، وہاں اپنا خُون بہاؤں گا۔“

یہ کہہ کر اپنی فوج کو تیّاری کا حکم دیا اور پھر دونوں دو لاکھ سواروں کے ساتھ قلعۂ قُلاب کی جانب روانہ ہوئے۔

اب کُچھ حال شہزادی گوہر بند اور اشقش کوتوال کا سُنئے۔

جب اشقش، شہزادی کو ساتھ لے کر قلعے سے نِکلا تو دو روز تک خوف کے مارے راستے میں کہیں قیام نہ کیا۔ تیسرے دِن ایک پہاڑ کے دامن میں رُکا۔ لشکر نے کمر کھولی، کُچھ کھانا پکایا، آرام کیا۔ اشقش نے شہزادی گوہر بند کو ایک خیمے میں اُتارا۔ اُدھر جاسوسوں نے یہ خبر آلا گرد کو پہنچائی کہ اشقش شہزادی گوہر بند کر لے قلعہ قُلاب سے نِکل گیا ہے۔ یہ سُنتے ہی آلا گرد نے پیچھا کیا اور تیزی سے سفر کرتا ہُوا اشقش کے نزدیک پہنچ گیا۔ آلا گرد نے دو کوس کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ اشقش کے آدمیوں نے آلا گرد کے آنے کی خبر سُنائی۔ شہزادی تو خبر سُنتے ہی خوف سے رونے لگی اور اشقش سے کہنے لگی کہ بھیّا، کِسی طرح راتوں رات یہاں سے بھاگ چلو۔

اشقش نے کہا۔ ”شہزادی، خُدا کو یاد کرو۔ اِتنا گھبراتی کیوں ہو؟ پہلے تو تُم نے

میری بات نہ مانی اور قلعہ سے نِکل پڑیں۔ اب اگر بھاگیں گے تو کیا آلا گرد ہمیں چھوڑ دے گا؟ ہم بھی جم کر لڑیں گے۔"

یہ سُن کر شہزادی نے کہا۔ "اچھّا، مجھ کو تھوڑا سا زہر منگا دو کیوں کہ آلا گرد پر تمہارا فتح یاب ہونا تو خُدا کے اِختیار میں ہے لیکن جب وُہ مجھے پکڑنے کو آئے گا اور میں دیکھوں گی کہ خیمے میں گھس آیا ہے، تو میں زہر کھا کر اپنا خاتمہ کر لوں گی۔ اب مرزُوق فرنگی کی صُورت دیکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

اشقش نے بُہت تسلّی دی اور ہر طرح سمجھایا بجھایا کہ خُدا نے چاہا تو ایسی نوبت ہی نہ آنے پائے گی، لیکن شہزادی کو یقین نہ آیا کہ اشقش آلا گرد جیسے زبردست پہلوان کو شکست دے سکے گا۔

اُدھر اشقش شہزادی کے خیمے سے باہر نِکلا اور اپنی فوج کے بڑے بڑے سرداروں کو طلب کر کے کہنے لگا کہ بھائیو، اب عِزّت تمہارے ہاتھ ہے۔ آلا گرد سے مُقابلہ کرنے میں ذرا کوتاہی نہ کرنا ورنہ سلطان سعد کہے گا کہ میرے ساتھی بُزدِل تھے۔

اُس نے ایسی جوشیلی تقریر کی کہ تمام سرداروں نے اپنی جان کی قسمیں کھائیں کہ مر جائیں گے پر آلا گرد کو قریب نہ آنے دیں گے۔ اِدھر تو یہ تدبیریں ہو رہی تھیں اور اُدھر جاسوسوں نے آلا گرد کو خبریں پہنچائیں کہ اشقش مُقابلہ کرنے کے لیے مُستعد ہے۔

یہ خبر سُنتے ہی آلا گرد نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ ابھی جا کر گھیر اڈال لو۔ کوئی بھی بھاگنے کا اِرادہ کرے تو فوری گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ یا مار ڈالو۔

پھِر آلا گرد نے اپنے ایک سردار مولائی فرنگی سے کہا کہ اشقش کے پاس جا۔ اُسے تمام اُونچ نیچ سمجھا کر میری جانب سے ڈرانا دھمکانا اور کہنا کہ شہزادی کو فوراً میرے حوالے کر دے ورنہ بُہت بُری طرح پیش آؤں گا۔ تیری بوٹیاں چیل کوّوں کو کھِلاؤں گا اور کہنا کہ اے نالائق، تجھے مرزُوق فرنگی کا بھی خوف نہیں ہے جو تُو دینِ ابراہیمی پر اِیمان لا کر بے اِیمان ہو گیا۔

مولائی فرنگی یہ پیغام لے کر اشقش کے پاس آیا۔ اور جو جو باتیں آلا گرد نے

کہی تھیں، حرف بہ حرف سب اُس سے کہہ دیں۔

اشقش نے جواب دیا۔ "میری جانب سے آلا گرد کی خِدمت میں تسلیم عرض کرنا اور کہنا کہ میں شہزادی گوہر بند کا غُلام ہُوں۔ میں نے اُس کی مرضی کے خلاف کُچھ نہیں کیا۔ اب آپ نے ایسا ارشاد فرمایا ہے۔ بہُت بہتر۔ مجھے ایک دِن کی مہلت مِلے تاکہ شہزادی کو سمجھا بجھا کر خِدمت عالی میں لے آؤں۔ اگر اُس پر جبر کروں گا تو یقین ہے کہ وُہ زہر کھا کر مر جائے گی۔"

مولائی فرنگی نے آ کر یہ تمام گفتگو آلا گرد سے بیان کی۔ اُس نے کہا۔ "خیر، ایک دِن کی مہلت دی۔ پھر اشقش کیا عُذر کرے گا۔"

اِدھر اشقش نے شہزادی گوہر بند کے خیمے پر رو طاقت ور غُلام پہرا دینے کے لیے مُقرّر کیے اور اُن سے کہہ دیا کہ خبر دار، جِس وقت میں مارا جاؤں، فوراً شہزادی کو بھی قتل کر ڈالنا۔

یہ کہہ کر چلاّ ہی تھا کہ دیکھا سامنے سے کُچھ لوگ چلے آتے ہیں۔ وُہ قریب

آئے تو معلُوم ہُوا کہ اشعر کو توال بیس ہزار ہتھیار بند سواروں سمیت آیا ہے اور اُس کے ساتھ سمینہ بانو بھی ہے۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ جب مالا گرد کو یقین ہو گیا کہ غوری پہلوان سلطان سعد کا سر لینے گیا ہے تو اُس نے سوچا کہ تُو چل کر اب سمینہ بانو کا کام تمام کر دے۔ یہ خیال کر کے اپنے ہمراہ ایک لاکھ سوار لیے اور قلعہ آہن حصار کی طرف چلِاّ۔ سمینہ بانو کو بھی مالا گرد کے آنے کی خبر مِل گئی۔ یہ بھی اشعر کو توال کو ساتھ لے کر قلعہ قُلاّب کی طرف چلی۔ راستے میں سُنا کہ اشقش اور شہزادی گوہر بند بھی آلا گرد کے خوف سے بھاگے آئے ہیں۔

قِصّہ مُختصر سمینہ بانو، شہزادی گوہر بند کے پاس آئی اور سارا حال کہا۔ اُدھر اشقش نے خُوش ہو کر اشعر سے کہا۔ ”بُہت اچھّا ہُوا کہ تُم آ گئے۔ اب ہم مِل کر آلا گرد سے لڑیں گے اور اگر ہم نے ہمّت نہ ہاری تو آلا گرد پر فتح پائیں گے۔“

اگلے روز مولائی فرنگی پھِر آن موجُود ہُوا اور اشقش سے جواب طلب کیا۔

ساتھ ہی آلا گرد کی جانب سے اِتنا پیام اور دیا کہ اے اشقش، ہم نے سُنا ہے کہ سمینہ بانو بھی آئی ہے۔ آج کا دِن وعدے کا ہے لہٰذا شہزادی گوہر بند کے ساتھ سمینہ بانو کو بھی ہمارے پاس لے کر آ۔

اشقش بہُت ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے سوچا یہ موقع مصلحت سے کام لینے کا ہے۔ دباؤ اور دھمکی سے کُچھ حاصل نہ ہو گا۔ وُہ مولائی فرنگی کی خاطر تواضع کرنے کے بعد عاجزی سے کہنے لگا۔

"بھائی جان، میری جانب سے پہلوان آلا گرد کی خِدمت میں سات سلام کے بعد کہنا کہ کل سمینہ بانو اپنے لشکر کے ساتھ یہاں آ گئی۔ اِس لیے شہزادی گوہر بند کو سمجھانے کا موقع ہی نہ مِلا۔ اب ایک دِن کی مہلت اور دیجئے تا کہ دونوں کو راضی کر کے لے آؤں۔"

مولائی فرنگی نے یہی بات جا کہ آلا گرد سے کہی۔ وُہ غُصّے سے مُنہ بنا کر بولا۔ "یہ اشقش، بہُت ذلیل آدمی ہے، خواہ مخواہ بہانے کر کے وقت ضائع کر رہا ہے۔ اچھّا، ایک دِن کی مہلت اور سہی۔ اگر کل تک دونوں عورتوں کو اپنے

ساتھ یہاں نہ لایا تو خُداوندِ زرّیں تن کی قسم آگ میں جلا کر کوئلہ کر دُوں گا۔“

وُہ رات اشقش، اشعر، گوہر بند اور سمینہ بانو پہ قیامت کی رات تھی۔ سینکڑوں وہم اور ہزاروں وسوسے دِلوں میں آتے تھے۔ یہی دکھائی دیتا تھا کہ اگر غیبی مدد نہ پہنچی تو آلا گرد کے ہاتھوں بڑی ذِلّت ورُسوائی ہو گی۔

آدھی رات کے بعد یکایک شور غُل کی آواز سُنائی دی۔ سب کے کلیجے لرز گئے۔ خیال ہُوا کہ آلا گرد کے آدمیوں نے شب خُون مارا ہے لیکن فوراً ہی ایک چوب دار یہ خبر لے کر آیا کہ سلطان سعد ایک عظیم لشکر کے ساتھ آیا ہے۔ اشقش اور اشعر دوڑے دوڑے گئے۔ دیکھا کہ واقعی سلطان سعد ہے۔ دونوں نے فوراً قدم بوسی کی اور خُوشیاں مناتے ہوئے واپس آئے۔ پھِر معلُوم ہُوا کہ سعد کے ساتھ مالک افروقیہ بھی آیا ہے۔

شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو خُوشی سے بے حال ہو گئیں۔ سعد نے سب سے پہلے سمینہ بانو کے پاس جا کر ادب سے سلام کیا۔ اُس نے دُعائیں دیں۔ پھر

شادی گوہر بند کر دیکھا اور اُسے بھی سلام کیا۔

صُبح کو جب سعد اور مالک افروقیہ کے آنے کی خبر آلا گرد کے کانوں تک پہنچی تو ہوش اُڑ گئے۔ سخت پریشان ہُوا۔ دِل میں کہا یہ تو بڑا غضب ہُوا۔ سعد کے آنے سے بساط ہی پلٹ گئی ہے۔ اب شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو کا ہاتھ آنا محال ہے۔

اُدھر مالا گرد نے قلعہ حصار میں پہنچ کر سنا کہ سمینہ بانو قلعۂ قُلّاب کی جانب فرار ہُوئی ہے۔ یہ بھی تعاقُب کرتا ہُوا آیا اور تیسرے دِن اپنے بھائی آلا گرد کے لشکر میں پہنچا۔ یہاں کی کیفیّت دریافت کی۔ آلا گرد پر سخت خفا ہُوا کہ اُس نے اشقش کو دو دِن کی مہلت کیوں دی۔ اُسی وقت کام تمام کرنا تھا۔ خیر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت۔

غرض مالا گرد نے آتے ہی طبلِ جنگ بجوا دیا۔ رات بھر دونوں طرف زور شور سے جنگ کی تیّاریاں ہوتی رہیں۔ یہ دونوں لشکر میدان میں آئے۔ مالا گرد نے اپنے بھائی آلا گرد سے کہا۔

”اشقش سے تُم لڑو اور اشعر سے میں لڑوں گا۔ اِسی طرح سعد سے میں لڑوں گا اور مالک افروقیہ سے تُم لڑنا؟“

ابھی لڑائی شروع بھی نہ ہوتی تھی کہ دُور سے نقّارہ بجنے کی آواز آئی۔ دونوں لشکروں نے حیرت سے اُس طرف دیکھا۔ شمال کی طرف سے گرد کا پردہ چاک ہوا تو دیکھا کہ تیس ہزار دِیوانے لوہے کی زنجیریں کڑکڑاتے چلے آتے ہیں۔ اُن کے بیچ میں عَلَم شاہ اور مسرُوق دِیوانہ تھے۔

سُلطان سعد عَلَم شاہ کو دیکھ کر بہت خُوش ہُوا۔ عَلَم شاہ نے سعد کو گلے لگایا، پھر میدان میں نگاہ دوڑائی۔ کیا دیکھا کہ آلا گرد اور مالا گرد لڑائی کے لیے تنے کھڑے ہیں۔ عَلَم شاہ مالا گرد کے قریب آیا اور سلام کرکے کہا۔

”چُوں کہ تم میرے خُسر ہو اِس لِیے سلام کرتا ہُوں۔ تمھیں بھی چاہیے کہ خدائے زرّیں تن پر لعنت بھیجو اور ہمارے دین میں آجاؤ۔“

مالا گرد نے ناراض ہو کر تلوار ماری۔ عَلَم شاہ نے اپنے آپ کو بچایا لیکن

گھوڑے کا سر کٹ گیا۔ عَلَم شاہ نے مالا گرد سے کہا۔

"بڑی شرم کی بات ہے کہ میں پیدل لڑوں اور تُم گھوڑے پر سوار ہو کر لڑو۔"

یہ سُنتے ہی مالا گرد بھی اپنے گھوڑے سے زمین پر کُودا۔ عَلَم شاہ فوراً اُچھل کر اُس کے گھوڑے پر بیٹھ گیا اور سلام کر کے بولا۔ "جب بزُرگ اپنے چھوٹوں کو کوئی چیز دیتے ہیں تو چھوٹے سلام کر کے لے لیتے ہیں۔ آپ نے مجھے یہ گھوڑا دیا اُس کا شکریہ ادا کرتا ہُوں۔"

مالا گرد بے حد شرمندہ ہُوا اور دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر عَلَم شاہ کے سامنے آیا۔ دوپہر تک دونوں میں خُوب نیزہ بازی اور تلوار بازی ہُوئی۔ نہ وُہ ہارا، نہ یہ جیتا۔ شام کے وقت جب دونوں کے ہتھیار بے کار ہُوئے وُہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور کُشتی ہونے لگی۔ آخر عَلَم شاہ نے مالا گرد کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سر سے اُونچا اُٹھالیا اور پُوچھا۔

"بول تیرا سچّا پروردگار کون ہے؟"

مالاگرد نے کُچھ جواب نہ دیا۔ تب عَلَم شاہ نے اُسے زنجیروں میں جکڑ کر اپنی فوج کے حوالے کیا۔ مالاگرد کے سپاہی اپنے سپہ سالار کو گرفتار ہوتے دیکھ کر طیش میں آئے اور حملہ کرنے کا اِرادہ کیا لیکن آلاگرد نے اُنہیں روکا اور کہا۔

"رات کی رات صبر کرو۔ صُبح اِس سے سمجھ لیں گے۔" غرض آلاگرد نے واپسی کا طبل بجوایا اور اپنی فوجوں کو میدان سے لے گیا۔ عَلَم شاہ کے لشکر میں فتح کے نقّارے بجنے لگے۔ رات بھر چراغاں ہُوا۔ اگلے روز صُبح عَلَم شاہ نے اپنی بارگاہ سجائی اور مالاگرد کو طلب کیا۔ کُرسی پر بٹھایا اور کہا۔

"اے مالاگرد، اب اپنے خُداوندِ زرّیں تن سے کہو کہ تمہیں ہمارے قبضے سے چھڑا کر لے جائے۔"

مالاگرد نے ندامت سے گردن جھکالی۔ تب عَلَم شاہ نے اُسے دینِ ابراہیمی میں داخل ہونے کے لیے کہا۔ عَلَم شاہ تو مالاگرد کو دین کی تلقین کرنے میں

مصرُوف تھے اور اُدھر مسرُوق دِیوانہ شہزادی گوہر بند اور سمینہ بانو کے خیمے میں بغیر اِجازت جا گھسا۔ سمینہ بانو نے اُٹھ کر سلام کیا مگر گوہر بند ایک گوشے میں چھُپ گئی۔ یہ خبر سُن کر عَلَم شاہ اور سلطان سعد دوڑے۔ عَلَم شاہ نے مسرُوق سے کہا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟ تمھیں بغیر اِجازت عورتوں کے خیمے میں جانا نہیں چاہیے تھا۔"

مسرُوق نے ہنس کر کہا۔ "میاں، ناراض کیوں ہوتے ہو۔ میں کِسی غیر عورت کے خیمے میں نہیں آیا۔ گوہر بند میری حقیقی بھتیجی ہے۔"

یہ کہہ کر باہر آیا اور وہاں پہنچا جہاں مالا گرد بیٹھا تھا۔ اُس سے کہنے لگا کہ خداوندِ زرّیں تن پر لعنت بھیجو اور دینِ ابراہیمی میں داخل ہو کر ہمارے بھائی بن جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ اِتنے میں سمینہ بانو وہاں آئی اور مالا گرد کے قدموں میں گِر کر کہنے لگی۔ "اے چچا، خُدا کے واسطے اِن لوگوں کی بات مان لیجئے۔ یہ حق پر ہیں۔"

مالا گرد تھوڑی دیر کُچھ سوچتا رہا پھر کہنے لگا۔ ”میں ہرگز اپنا مذہب نہ چھوڑوں گا۔ خواہ یہ لوگ مجھے زندہ رہنے دیں یا مار ڈالیں۔“

یہ سُنتے ہی عَلَم شاہ نے اپنے ہاتھوں سے مالا گرد کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھول دیں اور کہا۔ ”جایئے، آپ آزاد ہیں۔ ہم کِسی پر جبر نہیں کرتے۔“

مالا گرد اِس سلوک سے حیران رہ گیا۔ پھر عَلَم شاہ سے لپٹ کر رونے لگا اور کہا۔ ”بیٹا، تمہاری اِس شجاعت نے مجھے ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے۔ اب کہاں جاؤں گا؟ میرا ٹھکانا تو یہی ہے۔ مجھے دینِ ابراہیمی میں داخل کر لو۔“

مالا گرد نے کلمہ پڑھ لیا۔ اِس خُوشی میں تین دِن تک جشن منایا گیا۔ چوتھے روز اُس نے عَلَم شاہ سے کہا۔ ”اب میں تھوڑی دیر کے لیے اپنے لشکر میں جا کر آلا گرد کو بھی نصیحت کرتا ہُوں۔“ عَلَم شاہ نے جانے کی اِجازت دے دی۔ مالا گرد اپنے لشکر میں آیا اور آلا گرد سے کہنے لگا۔ ”بھائی، اگر عَلَم شاہ سے لڑنے کا اِرادہ ہے تو پہلے مجھ سے لڑ۔ میں تو کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہو گیا ہُوں۔ اور خُداوندِ زرّیں تن پر لعنت بھیجتا ہُوں۔“

آلا گرد یہ سُن کر بھونچکا رہ گیا۔ پھِر ہنس کر کہنے لگا "آپ اِتنی دُور سے تھکے ماندے آئے ہیں۔ کُچھ دیر آرام کیجیئے۔ پھر بات کریں گے۔ آپ کا حکم مان لینے میں مجھے کیا عُذر ہے۔ آپ بڑے ہیں مجھ سے، بہتر سمجھتے ہیں۔"

غرض اُس نے اپنی چکنی چُپڑی باتیں کر کے مالا گرد کو اپنے پاس بٹھایا اور دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ لیکن خُفیہ طور پر باورچیوں کو ہدایت کر دی کہ مالا گرد کے کھانے میں دوائے بے ہوشی ملا دیں۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ مالا گرد نے ابھی چند ہی لُقمے کھائے تھے کہ لڑھک کر ایک طرف جا گرا۔ آلا گرد نے اُسی وقت زنجیروں میں بندھوایا اور قید خانے میں پھینک دیا۔ پھر اپنے سرداروں سے کہا کہ "میں عَلَم شاہ سے جنگ کروں گا۔ اگر جیت گیا تو خیر ورنہ مالا گرد کو لے کر سید ھا مرزُوق کی خِدمت میں حاضر ہو جانا۔"

اُدھر جاسوسوں نے عَلَم شاہ کو یہ ساری خبریں پہنچا دیں کہ آلا گرد نے بڑے بھائی مالا گرد کے ساتھ کیا حرکت کی ہے۔ عَلَم شاہ اُسی وقت طیش میں آن کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور شمشیر تول کر کہنے لگا۔

”آلا گرد کی ہستی کو ابھی جا کر خاک و خُون میں مِلائے دیتا ہُوں۔“

اشقش نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ ”جہاں پناہ، ایسا نہ کیجیے بلکہ جب آلا گرد لڑنے کے لیے میدان میں آئے تو سب کے سامنے اُسے گرفتار کیجیے۔“

عَلَم شاہ نے یہ مشورہ نہ مانا۔ تب سعد آگے بڑھ کر کہنے لگا۔ ”بہتر ہے۔ پھر مجھی کو جانے کی اِجازت دیجیے۔ کیوں کہ آلا گرد پہلے مجھ پر حملہ کرنے آیا تھا۔“

عَلَم شاہ یہ سُن کر چُپ ہو رہا۔ اِتنے میں آلا گرد نے طبلِ جنگ بجوایا۔ عَلَم شاہ خُوشی سے جھُوم کر کہنے لگا۔ ”اُس بدبخت کی قضا آخر اُسے میدان میں لئے ہی آئی۔“

شہزادہ قباد شہر یار کی داستان

عَلَم شاہ اور آلا گرد کو اُن کے حال پر چھوڑ کر ہم اب امیر حمزہ اور اُن کے ساتھیوں سے مُلاقات کرنے چلتے ہیں جو مُلک فرنگستان جانے کے لیے سمندر کے کنارے کشتیوں میں سوار ہو رہے ہیں۔

ابھی اُنھوں نے سمندر میں سفر شروع بھی نہیں کیا تھا کہ چند کشتیاں سوداگروں کی آئیں اور کنارے پر لگیں۔ معلُوم ہُوا کہ یہ لوگ مُلک فرنگستان سے واپس آئے ہیں۔ امیر حمزہ نے عُمرو سے کہا۔

”ذرا اِن سوداگروں کو یہاں بُلاؤ اور اِن سے کُچھ حال پوچھو۔ مُمکن ہے عَلَم شاہ اور سعد کے بارے میں اُنہیں کُچھ معلُوم ہو۔“

عُمرو اِن سوداگروں کو بُلا لایا تو امیر حمزہ نے پُوچھا۔ ”کیوں صاحبو، تمھیں کُچھ عَلَم شاہ اور سلطان سعد کی بھی خبر ہے؟ بُہت دِن ہُوئے یہ دونوں مُلک فرنگستان میں گئے تھے۔ پھِر پتا نہ چِلاّ کہ اُن پر کیا گُزری۔“

عَلَم شاہ اور سعد کا نام سُنتے ہی سوداگروں کے چہرے روشن ہو گئے۔ اُنھوں نے کہا۔ ”یا امیر، کُچھ نہ پوچھو کہ اِن بہادُروں نے فرنگستان میں شجاعت اور مردانگی کا کیا ڈنکا بجایا ہے۔ فرنگیوں کا مار مار کر کچومر نِکال دیا ہے۔ جو مُقابلے پر آیا، مات کھا گیا۔“

پھر اِن سوداگروں نے تفصیل سے سارا قِصّہ سُنایا، اور نقاب دار پلنگینہ پوش کا بھی ذکر کیا کہ اِس مردِ پُراسرار نے کئی بار سعد کی جان بچائی ہے۔

امیر حمزہ اِن سوداگروں کی زبانی یہ داستان سُن کر بے حد خُوش ہوئے۔ ہر ایک کو خلعت عطا کی اور عُمرو سے کہا کہ اب ہم کو بُہت جلد فرنگستان میں پہنچنا چاہیے۔ جب آدمیوں کی گنتی ہونے لگی تو معلم ہُوا کہ شہزادہ قباد شہریار موجُود نہیں ہیں۔ اِتنے میں کِسی نے امیر حمزہ کو خبر دی کہ شہریار نہ جانے

کہاں چلّا گیا ہے۔ یہ سُنتے ہی امیر حمزہ کا رنج کے مارے بُرا حال ہُوا۔ دُور دُور تک قباد کی تلاش میں عیّاروں کو بھیجا مگر اُس کا کہیں پتا نِشان نہ پایا۔ کہتے ہیں ایک مہینے تک امیر حمزہ سمندر کے کنارے اِسی اُمّید پر رُکے رہے کہ شاید شہریار کا سُراغ مِل جائے۔

ایک روز امیر حمزہ نے خواب میں دیکھا ایک نہایت خُوش نُما چمن میں عالی شان مکان بنا ہُوا ہے۔ پانی سے لبریز نہریں جاری ہیں اور طرح طرح کے پھُول اور پھل دار درخت جھُوم رہے ہیں۔ بُلبُلیں چہک رہی ہیں اور پھُولوں کی کلیاں رنگا رنگ کی کھِل رہی ہیں۔ یکایک ایک بزرُگ سبز پوشاک پہنے اور عصا ہاتھ میں لیے وہاں آئے۔ امیر حمزہ نے اُن بزرُگ کی نورانی صُورت دیکھ کر ادب سے سلام کیا۔ اُنہوں نے بڑی محبّت اور شفقت سے سلام کا جواب دیا اور کہا۔

"اے حمزہ، تُو اِس قدر غمگین اور رنجیدہ کیوں ہے؟"

"حضرت، کیا عرض کروں۔ میرا ایک فرزند جِس کا نام قباد ہے، کہیں چلّا گیا

ہے۔ اُس کی جُدائی میں بے چین ہُوں۔ بُہت ڈھنڈوایا مگر اُس کا کہیں پتا نہیں۔"

یہ سُن کر اُن بزُرگ نے امیر حمزہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ "اِطمینان رکھ اور دِل کو تسلّی دے۔ تیرا گُم شُدہ فرزند تجھے ضُرور مِلے گا۔ وُہ بڑا بہادُر اور جری نوجوان ہے۔ تیرا نام روشن کرے گا۔ اب تجھ کو لازم ہے کہ یہاں سے مُلکِ فرنگستان کی جانب کُوچ کر۔ انشاء اللہ وہیں قباد شہریار سے ملاقات ہو گئی۔"

اِتنا کہہ کر وُہ بزُرگ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور امیر حمزہ کی آنکھ کھل گئی۔ اُسی وقت عُمرو، لِندھور اور بہرام وغیرہ کو طلب کر کے سارا حال خواب کا بیان کیا اور کہا کہ اے عُمرو، لشکر میں منادی کرا دو کہ ہم مُلکِ فرنگستان کی جانب کُوچ کیا چاہتے ہیں۔ سب مُستعد رہیں اور اپنا اپنا سامان درست کریں۔

عُمرو عیّار نے لشکر میں کُوچ کی منادی کرا دی۔ تمام سردار، پہلوان اور سپاہی ہتھیاروں سے لیس ہو کر درست ہُوئے۔ عُمرو نے کشتیوں کا معائنہ کیا اور

اپنی نگرانی میں اسباب لدوایا۔ جب سارا لشکر جہازوں اور کشتیوں میں سوار ہو گیا تو عُمرو نے امیر حمزہ سے کہا۔

"اب یہ خادم آپ سے اِجازت چاہتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں گا۔"

امیر حمزہ نے حیرت سے عُمرو کی طرف دیکھا اور کہا۔ "معلُوم ہوتا ہے تمہارے دماغ میں پھِر کوئی کیڑا رینگا ہے۔ آخر نہ جانے کا کیا تُک ہے؟"

"جناب، مجھے سمندر سے ڈر لگتا ہے۔ بہُت عرصہ ہُوا ایک نجُومی نے مجھے خبردار کیا تھا کہ سمندر میں نہ جائیو، ورنہ تمہاری موت واقع ہو جائے گی۔"

امیر حمزہ اور لِندھور وغیرہ نے بہترا سمجھایا مگر عُمرو ٹس سے مس نہ ہُوا۔ آخر اُنہوں نے روپے کا لالچ دیا اور کہا کہ فرنگستان میں بہُت زر و جواہر ہے۔ اگر تُم ساتھ چلو گے تو یہ سب تمہیں دیں گے۔ عُمرو نے کہا میں اسے زر و جواہر پر تھوکتا بھی نہیں جب جان ہی نہ رہی تو زر و جواہر کو لے کر چاٹوں گا؟

آخر امیر حمزہ نے ایک لاکھ اشرفیاں عُمرو کو دیں تب وُہ چلنے کے لیے آمادہ ہُوا

اور جہاز پر آیا۔ تین ماہ بعد فرنگستان کا ساحل دِکھائی دیا اور سب نے خیر و عافیت سفر طے ہو جانے پر خُدا کا شکر ادا کیا۔ ساحل پر خیمے لگائے گئے اور امیر حمزہ کے لیے بار گاہ بنائی گئی۔ عیّار خبر لینے کے لیے بھیجے گئے تا کہ معلُوم کریں مُلکِ فرنگستان کا یہ مقام کون سا ہے۔ اُنھوں نے آن کر بتایا کہ اِس مقام کو دربند ریحانیہ کہتے ہیں اور چند دِن پہلے عَلَم شاہ کا لشکر اِسی راستے سے گُزرا تھا۔ یہ سُن کر امیر حمزہ خُوش ہُوئے اور کہا کہ چند روز بعد یہاں سے روانہ ہُوں گے۔ پھر عیّاروں سے کہا کہ جو کوئی شہزادہ قباد کا حال بتائے گا، میں اُسے بُہت کُچھ انعام دُوں گا اور خُوش کروں گا۔

شہزادہ قباد شہریار کی کشتی بُہت دِن تک دریا کی لہروں کے رحم و کرم پر بہتے بہتے آخری کنارے پر جا لگی۔ شہزادہ کشتی سے اُترا اور پیدل چِلا۔ کئی دِن کی بھُوک نے نڈھال کر دیا تھا اور حالت یہ تھی کہ چند قدم چلتا اور ِگر پڑتا۔ پھر اُٹھتا اور پھِر ِگر جاتا۔ اِسی حالت میں چلتا چلتا بیابان میں آیا۔ وہاں ایک چار

دیواری نظر آئی لیکن اُس کا دروازہ نہیں تھا۔ دیواریں نیچی تھیں، اِس لیے آسانی سے ایک دِیوار پھاندی اور اندر پہنچ گیا۔ دیکھا کہ یہ گھوڑوں کا اصطبل سا ہے۔ کہیں کہیں لمبی میخیں گڑی ہیں اور تھان بنے ہوئے ہیں مگر گھوڑا کوئی نہیں ہے۔

یہ چار دیواری بُہت وسیع علاقے میں تھی۔ شہزادہ وہاں سے چِلاّ تو ایک باغ نظر آیا جس کا دروازہ بند تھا۔ شہزادے نے دروازے پر دستک دی۔ پھِر زور زور سے آواز لگائی لیکن اندر سے کوئی جواب آیا اور نہ کِسی نے دروازہ کھولا۔ یہ ماجرا دیکھ کر شہزادہ حیران ہُوا۔ آخر ہمّت کر کے باغ کی دیوار بھی پھاندی اور اندر داخل ہُوا۔ دیکھا کہ ایک پُر بہار چمن ہے۔ ایک نفیس بارہ دری بنی ہے جس میں عالی شان مسند لگی ہے اور قریب ہی ہاتھی دانت کی بنی ہوئی میز پر نہایت لذیذ کھانا چُنا رکھا ہے۔ مگر بارہ دری اور باغ میں نہ کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔

شہزادے نے کھانے پینے کا سامان دیکھ کر خُدا کی بارگاہ میں شکریہ ادا کیا اور

اِطمینان سے کھانے لگا۔ جب خُوب پیٹ بھر گیا تو قریب ہی لگی ہوئی مسہری پر پڑ کر سو گیا۔ سہ پہر کو آنکھ کھلی۔ اچانک گھوڑے کے دوڑنے کی آواز کان میں آئی۔ شہزادہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اِتنے میں ایک قوی ہیکل شخص وہاں آیا۔ قباد نے سلام کیا تو وُہ سخت ناراض ہو کر بولا۔

"او بے ادب، تُو کون ہے اور بغیر اِجازت اِس باغ میں کیوں آیا؟"

شہزادے نے نرمی سے جواب دیا۔ "بھائی ایک مصیبت زدہ آدمی ہُوں۔ کئی دِن کے فاقے سے تھا۔ مجبوراً اِدھر چِلا آیا۔ اب جو جی چاہے، مجھے سزا دو۔ تمھیں اِختیار ہے۔"

"تُو نے جو قصور کیا ہے اُس کی سزا موت کے سوا اور کُچھ نہیں۔" اُس آدمی نے کہا۔ "چل یہاں سے باہر نِکل۔"

یہ سُن کر شہزادہ بارہ دری سے باہر آیا۔ دیکھا کہ بُہت سے مرد وہاں بیٹھے ہیں۔ تب پہلے شخص نے قباد سے کہا۔ "تیرے پاس کوئی ہتھیار ہے جِس سے میرا

مقابلہ کرے گا؟ ایسا نہ ہو کہ بے بسی اور بے کسی میں مارا جائے۔"

قباد نے اِطمینان سے کہا "بھائی، میں بالکُل خالی ہاتھ ہُوں۔ یہاں جان کے لالے پڑے تھے۔ میں اپنے پاس ہتھیار کہاں رکھتا۔"

اُس شخص نے قباد کو ایک نیزہ دیا اور دُوسرا خُود سنبھالا۔ پِھر دونوں میں لڑائی شروع ہُوئی۔ بہُت جلد اُس شخص کو معلُوم ہو گیا کہ اُس کا مُقابلہ جِس جوان سے ہے وُہ بھی فنِ سپہ گری سے اچھّی طرح واقف ہے اور اُسے مارنا آسان کام نہیں ہے۔ اچانک قباد نے نیزہ اِس زور سے مارا کہ اُس شخص کا نیزہ درمیان سے دو ٹکڑے ہو گیا۔ اُس نے جھلّا کر تلوار نکالی۔ قباد نے جھٹ اُس کی کلائی پر ہاتھ ڈالا اور تلوار چھین کر دُور پھینک دی۔ پھر اسے پکڑ کر سر سے اُونچا اُٹھایا اور چکّر دے کر زمین پر رکھ دیا۔ وُہ شخص بے حد شرمندہ ہُوا اور کہنے لگا۔

"اے جوان، تُو جیتا میں ہارا۔ مگر اب تُو اپنا نام پتا بتا دے۔"

تب شہزادے نے اپنی تمام حقیقت بیان کی۔ وُہ شخص کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہُوا۔ اُس کے سب ساتھی بھی ایمان لائے۔ اب اُس نے اپنی کیفیّت بیان کی کہ میرا نام فیروز زہر خوار ہے۔ جِس طرح مُلک فرنگستان میں آلا گرد اور مالا گرد دو نامی گرامی پہلوان ہیں، اِسی طرح ایک میں بھی ہُوں۔ مجھ سمیت چار پہلوان پورے مُلک میں سب سے بڑے سمجھے جاتے تھے۔ ایک دِن کا ذِکر ہے کہ میں نے مرزُوق فرنگی کی بیٹی شہزادی گوہر بند کو دیکھا اور خواہش ظاہر کی کہ اُس کی شادی مجھ سے کر دی جائے۔ مگر بعد میں پتا چِلاّ کہ شہزادی مجھ سے نفرت کرتی ہے اور میرا نام سُننا بھی پسند نہیں کرتی۔ جب مرزُوق کو میرے اِرادے کا عَلَم ہُوا تو وُہ خفا ہو کر میری گرفتاری کے در پے ہُوا۔ میں اُس کے خوف سے بھاگ کر اِس صحرا میں آ گیا اور اب میرا پیشہ ڈاکے ڈالنا ہے۔ قافلوں اور مُسافروں کو لوٹتا ہُوں۔ یہ سب لوگ میرے فرمانبردار ہیں۔

شہزادہ قباد شہریار کئی دِن فیروز کا مہمان رہا۔ ایک دِن اُسے خیال آیا کہ اے

قباد، تُو نے ذرا سی بات پر شاہی تخت کو ٹھکرایا۔ اب یہاں کیا سمجھ کے پڑا ہے؟ وُہ فیروز سے کہنے لگا۔

”بھائی، میں چاہتا ہُوں کہ اب تُم سے رُخصت ہُوں اور جہاں سینگ سمائے وہاں چلّا جاؤں۔“

فیروز یہ سُن کر حیران ہُوا اور کہنے لگا۔ ”اے شہزادے، تجھے یہاں کیا تکلیف ہے جو جانے کا نام لیتا ہے؟ اب میں تجھے جانے نہ دُوں گا۔ کیوں کہ تُو مجھے سگے بھائیوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اگر تُو نہ مانے گا تو میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔“

فیروز کی یہ ضِد دیکھ کر قباد گھبرایا اور دِل میں سوچا کہ اگر یہ میرے ساتھ رہا تو نہ معلُوم کِن کِن آفتوں میں پھنسوں گا۔ اِس لیے یہی بہتر ہے کہ فیروز کو ٹال دُوں۔ اُس نے کُچھ جواب نہ دیا اور خاموش ہو رہا۔

رات کو جب سب غافِل سو گئے تو قباد چُپکے سے اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر

ایک جانب چل دِیا۔ دِن رات مسلسل سفر کرنے کے بعد ایک جنگل میں گُزر ہُوا۔ وہاں ایک عالی شان محل نظر آیا۔ قباد بے تکلّف محل میں جا گھسا۔ دیکھا کہ ہر طرف سنّاٹا ہے۔ کوئی نظر نہیں آتا۔ تب درختوں سے پھل توڑ کر کھائے اور ایک گوشے میں پڑ کر سو گیا۔ آنکھ کھلی تو اپنے سامنے ایک نقاب پوش کو کھڑے پایا۔ قباد نے اُٹھ کر سلام کیا۔ نقاب پوش نے سلام کا جواب دیا اور پُوچھا۔

"اے جوان، تُو کون ہے اور کہاں سے آیا؟"

تب شہزادے نے شروع سے آخر تک اپنی رام کہانی سُنائی اور آخر میں کیا۔ "میں اب عَلَم شاہ کے مُقابلے میں نکلا ہُوں۔ وُہ اپنے آپ کو رُستم سمجھتا ہے۔ میں اُس سے کسی طرح کم نہیں ہُوں۔"

یہ سُن کر وُہ نقاب پوش ہنسا اور کہنے لگا۔ "اے قباد، تیرے دماغ سے ابھی تک غُرور کی بُو نہیں گئی۔ رُستم تو بڑی چیز ہے، پہلے مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے تا کہ تجھے اپنی قُوّت کا صحیح علم ہو۔"

قباد نے حیرت سے نقاب پوش کو دیکھا اور کہا۔ ”اگر تجھے ایسا ہی شوق ہے تو آ جا۔ میں مُقابلے کے لیے تیّار ہُوں۔“

دونوں میں کُشتی شروع ہوئی اور چند لمحے بعد ہی قباد نے اندازہ کر لیا کہ نقاب پوش کے جسم میں بڑی جان ہے اور کُشتی کے ہزاروں داؤ پیچ جانتا ہے۔ بہُت جلد قباد بُری طرح ہانپنے لگا اور زیادہ لڑنے کی ہمّت نہ رہی۔ تب نقاب پوش نے اُسے اُٹھا کر زمین پر دے مارا اور چاروں شانے چِت کر کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ پھر اپنا خنجر نِکال کر اُس کی گردن پر رکھا اور کہا۔

”بول، اب کیا کہتا ہے؟ یہ خنجر تیرے سینے میں اُتار دُوں؟“ قباد نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور سمجھا کہ نقاب پوش کے بھیس میں موت کا فرشتہ ہے۔ یکایک نقاب پوش نے خنجر ہٹا لیا اور اُٹھ کر پرے جا کھڑا ہُوا۔ پھِر قباد کو زمین سے اُٹھایا اور ہنس کر بولا۔

”میں بھی دینِ ابراہیمی پر ایمان رکھتا ہُوں۔ اِس لیے تیری جان بخشتا ہُوں۔ دیکھ عَلَم شاہ مرزُوق سے لڑنے گیا ہے اور خُدا نے چاہا تو فتح یاب ہو کر لوٹے

گا۔ اب تُو یہاں سے چلاّ جا اور خبر دار پھِر کبھی اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر وُہ نقاب پوش چلاّ گیا۔ شہزادہ قباد کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ زِندگی میں ایسی زِک اور پشیمانی کبھی نہ اُٹھائی تھی۔ دِل میں خیال کیا کہ قباد، تیری زِندگی پر لعنت ہے۔ ایسے جینے سے مر جانا ہی اچھّا ہے۔

یہ سوچ کر صحرا کی راہ لی اور ایک درخت کے نیچے جا رُکا۔ کھانا پینا سب چھوڑ دیا اور موت کا اِنتظار کرنے لگا۔ آخر ایڑیاں رگڑنے کی نوبت آئی اور روح کھنچ کر حلق میں آ گئی۔ یکایک ایک ضعیف جِس کی عُمر کا اندازہ کرنا دشوار تھا، صحرا میں نمودار ہُوا۔ اُس نے شہزادے کے قریب آ کر کہا۔

"اے قباد، کیوں حرام موت مرتا ہے؟ ابھی تیری زِندگی بُہت باقی ہے۔ مرنے کا اِرادہ ترک کر دے۔"

قباد نے اُس بزُرگ کو دیکھا اور رو رو کر سارا قصِّہ سُنایا۔ بزُرگ نے قباد کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "جا، اب دنیا کا کوئی پہلوان تیری پیٹھ زمین سے نہ لگا سکے

گا۔“

یہ سُن کر قباد خُوش ہُوا۔ بزُرگ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور پُوچھا۔ ”حضرت، یہ تو فرمایئے آپ کون ہیں؟“

”میرا نام آدم صفی اللہ ہے۔ اب زیادہ باتیں مَت کر اور اُسی محل میں جا جہاں نقاب پوش نے تجھے زیر کیا تھا؟“

یہ کہتے ہی وُہ بزُرگ غائب ہو گئے۔ قباد دیر تک حیران پریشان سوچتا رہا کہ یہ خواب ہے یا بیداری؟ پھر دِل میں خیال آیا کہ اپنی طاقت کا اِمتحان کرنا چاہیے۔ جِس درخت کے نیچے بیٹھا تھا، اُس کے تنے کو دونوں بازوؤں میں لے کر زور کیا تو درخت جڑ سے اُکھڑنے لگا۔ اب تو شہزادہ خُوشی کے مارے دِیوانہ ہو گیا۔ بے اختیار بھاگتا ہُوا اُسی محل میں آیا اور نقاب پوش کو لڑائی کے لیے پُکارا۔ وُہ آواز سُن کر آیا اور قباد کو دیکھ کر کہنے لگا۔

”میں نے تجھے خبر دار کیا تھا کہ اب یہاں نہ آنا مگر تُو نہ مانا۔ معلُوم ہوتا ہے

ہڈّیاں پسلیاں تُڑوا کر جائے گا۔"

قباد نے نرم لہجے میں کہا۔ "اُس وقت میں تھکا ماندہ آیا تھا جب تُو نے تجھے چِت کیا۔ اب میں تازہ دم ہُوں۔"

"بس بس۔۔۔ پتا چل گیا کہ تُو بڑا ڈھیٹ ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔ "مجھے تیری کم عُمری پر ترس آتا ہے۔"

یہ کہہ کر نقاب پوش نے آگے بڑھ کر قباد کے دو گھُونسے اِس زور سے مارے کہ اگر کِسی بیل یا سانڈ پر پڑتے تو وُہ بھی پانی نہ مانگتا۔ مگر قباد اُسی طرح کھڑا مسکراتا رہا۔ اب تو نقاب پوش کے اوسان خطا ہوئے۔ سمجھا کہ کُچھ اور ماجرا ہے۔ قباد کی کمر پکڑ لی اور زور لگا کر اُسے اُٹھانے کی کوشش کی مگر زمین نے قباد کے پاؤں پکڑ لیے تھے۔ نقاب پوش عرق عرق ہو گیا۔ اب قباد نے ایسا دھکّا دیا کہ نقاب پوش نے ستّر لڑھکنیاں کھائیں اور اُٹھ نہ سکا۔ تب قباد نے اپنا خنجر نِکال کر اُس کے سینے پر رکھا اور کہا۔

"بول اب کیا کہتا ہے؟ جان سے مار دُوں یا چھوڑ دُوں؟"

نقاب پوش نے کُچھ جواب نہ دیا۔ تب قباد اُس کے سینے سے ہٹا اور حضرت آدم کے تشریف لانے کا واقعہ سُنایا۔ نقاب پوش قباد سے بولا۔ "ہاں، اب آپ رُستم کا مُقابلہ کرنے کے لائق ہُوئے ہیں۔"

اُس نے نہایت عِزّت سے قباد کو اپنے محل میں ٹھہرایا اور خادموں کی طرح ہر حکم کی تعمیل کرتا رہا۔ آخر ایک دِن قباد وہاں سے رُخصت ہُوا اور شمال کی جانب سفر کرنے لگا۔ دس روز بعد ایسے علاقے سے گُزرا جہاں دو لشکروں میں بڑی خوف ناک جنگ چھِڑی ہوئی تھی۔ قباد بھی ایک جانب رُک کر جنگ کا تماشا کرنے لگا۔

قباد نے دیکھا کہ ایک طرف کوئی دو لاکھ سوار اور پیادے ہیں اور دوسری طرف نو دس لاکھ کا عظیم لشکر ہے۔ جِس طرف فوج کم ہے، اُدھر کا سپہ سالار کیشۂ فرنگی زخمی ہو چکا ہے اور اُس کی فوج میں بھگدڑ مچی ہُوئی ہے۔ مرزُوق فرنگی کے دو بیٹے ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار بھی میدانِ جنگ میں موجود

ہیں اور اپنے سپہ سالار کیشۂ فرنگی کے زخمی ہو جانے پر سخت پریشان ہیں۔

قِصّہ دراصل میں یہ ہے کہ فرنگستان کے ایک اور زبردست بادشاہ صفاتُرک کی مرزُوق فرنگی سے پُرانی دُشمنی چلی آتی تھی۔ دونوں آپس میں مُدّت سے لڑتے بھِڑتے چلے آرہے تھے۔ کبھی مرزُوق فرنگی اپنے دُشمن صفاتُرک پر غالب آجاتا اور کبھی صفاتُرک حملہ کرکے مرزُوق کی سلطنت کا کوئی شہر چھین لیتا۔ اِس وقت بھی صفاتُرک نے مرزُوق کا ایک شہر چھیننے کے ارادے سے نو لاکھ سواروں کے ساتھ حملہ کیا تھا۔ اُس شہر کا نام قرشیہ تھا اور یہاں کے حاکم مرزُوق کے بیٹے ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار تھے۔

صفاتُرک کے لشکر کا سب سے عظیم پہلوان موتِ اعظم تھا۔ اُس کا وزن آٹھ من سے کم نہ ہو گا۔ لوہے کی سلاخیں موم کی طرح اُس کے ہاتھوں میں پگھلی جاتیں اور جو پہلوان اُس کے مُقابلے میں آتا، جان سلامت لے کر نہ جاتا۔ ہر طرف اُس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی موتِ اعظم میدان کے بیچوں بیچ کھڑا دُشمن کو مار رہا تھا اور کہتا تھا کہ جِس کو موت کی آرزو ہو، وُہ

میرے سامنے آئے مگر ارشی اور قرشی تاجدار کے لشکر میں سے کوئی پہلوان موتِ اعظم کے مُقابلے کو نہیں نِکلتا تھا۔

یہ حال دیکھ کر شہزادہ قباد شہریار کا خُون کھولنے لگا۔ اگرچہ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ دونوں لشکر کافروں کے ہیں اور اُن میں سے کِسی کی مدد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پھر بھی موتِ اعظم پہلوان کی شیخی سُن کر وُہ اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور گھوڑا دوڑاتا ہُوا اُس کے سامنے آن کر بولا۔

"اے پہلوان، یہ کہاں کی دِلاوری ہے کہ جو شخص ہار جائے اُسے یُوں للکارتے ہو؟"

موتِ اعظم نے حقارت کی نگاہ سے قباد کو دیکھا اور ہنس کر کہا۔ "یہ بچو نگڑا کہاں سے نِکل آیا، اِسے سمجھاؤ کہ اپنے والدین کے کلیجے سے لگ کر بیٹھے ابھی تو اِس کے مُنہ سے دُودھ کی بُو بھی نہیں گئی۔"

موتِ اعظم کے یہ الفاظ سُن کر اُس کے لشکری زور سے ہنسے۔ شہزادہ قباد نے

بُلند آواز سے کہا۔ ”جِس کو ہنسنا ہو وُہ اب ہنس لے، بعد میں شاید موقع نہ ملے۔“

یہ سُن کر موتِ اعظم نے قہقہہ لگایا۔ اُس کی آواز اِتنی بھیانک تھی کہ دُور و نزدیک کے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے ڈر کر اُڑے اور فضا میں چکّر کاٹنے لگے۔ قباد نے پھِر کہا۔

”دیکھتا جا، تُو ابھی اِسی مُنہ سے خُون تھُوکے گا جس مُنہ سے تو نے قہقہہ لگایا ہے۔“

اب تو موتِ اعظم کا رنگ غُصّے کے مارے سیاہ پڑ گیا۔ نیزہ اُٹھا کر قباد کو مارا مگر قباد نے ڈھال کے بجائے وار کو اپنے ہاتھ پر روکا اور ایک ہی جھٹکے سے نیزہ چھین کر دُور پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ارشی اور قرشی تاجدار کے لشکر نے خُوشی سے نعرے لگائے۔ موتِ اعظم پہلوان اپنے گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور چِلاّ کر بولا۔

”اے جوان، تُو بھی اپنے گھوڑے سے اُتر اور مجھ سے پنجہ ملا۔“

قباد نے ایسا ہی کیا۔ جونہی وُہ موتِ اعظم کے قریب آیا، اُس نے اچھل کر قباد کے سینے میں مُکّا مارا۔ شہزادے کی آنکھوں کے سامنے چنگاریاں سی اُڑنے لگیں اور زمین گھُومتی ہوئی دِکھائی دی۔ قباد لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ اِتنے میں موتِ اعظم نے ٹکّر مارنے کے لئے اپنی گردن آگے بڑھائی۔ قباد نے جھٹ اپنی بغل میں اُس کی گردن دبالی اور ایسازور لگایا کہ اُس کی چیخیں آسمان تک گئیں۔ اُس نے آزاد ہونے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر بے سُود۔ تب شہزادے نے اُس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر مروڑااور اُنگلیوں کے بند جُدا کر دیے۔ اِس کے بعد موتِ اعظم کو گھُما کر زمین پر دے مارا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی، مگر شہزادے نے اُس کی پیٹھ پر لات جمائی اور وُہ لڑھکتا ہُوا دُور جا گرا۔

اُس کی فوج نے اپنے سپہ سالار کی مرمّت ہوتے دیکھی تو ایک دم دھاوا بول دیا۔ اِتنی دیر میں قباد نے موتِ اعظم پہلوان کو باندھ کر ارشی تاجدار کے عیّاروں کے حوالے کیا اور خُود تلوار کھینچ کر مخالف لشکر پر ٹوٹ پڑا۔ ایسا

معلُوم ہُوا گویا بکریوں کے ریوڑ میں شیر گھس آیا ہو۔ چند ساعت کے اندر اندر ہزاروں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ یہاں تک کہ صفاتُرک کے سپاہی ہتھیار پھینک کر بھاگے۔

مرزُوق فرنگی کے بیٹوں نے فتح کے شادیانے بجوائے اور شہزادہ قباد شہریار کو اپنے ساتھ لے کر اپنی قیام گاہ پر واپس آئے۔ شہزادے کی حد درجہ خاطر تواضع کی اور نہایت ادب سے پُوچھا۔

"جنابِ والا نے ابھی تک اپنے نام سے آگاہ نہیں فرمایا اور نہ یہ بتایا کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

شہزادے نے اُنہیں اپنا نام بتانا مُناسب نہ سمجھا۔ صِرف اِتنا کہا۔ "میں ایک معمولی سوداگر ہُوں۔ شہاب میرا نام ہے۔ مُلکِ فرنگستان کی سیر و سیاحت کے لیے آیا ہُوں۔"

"خُوش آمدید۔ خُوش آمدید۔" ارشی تاجدار نے خُوش ہو کر کہا۔ "آپ

سوداگر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت بہادُر سپاہی بھی ہیں۔ موتِ اعظم کا پنجہ مروڑ کر آپ نے ہماری عِزّت رکھی ہے۔ اِس کے لیے ہم مرتے دم تک آپ کے اِحسان مند رہیں گے۔ یہ شہر بھی آپ کا ہے، جب تک جی چاہے یہاں رہیے۔ ہمیں آپ کی خِدمت بجالا کر خُوشی ہو گی۔"

غرض شہزادہ قباد شہریار شہر قرشیہ میں رہنے لگا۔ وہاں اُسے ہر طرح کا عیش و آرام میسّر تھا۔ مرزُوق فرنگی کے بیٹے اُس کے حکم کی تعمیل معمولی غُلاموں کی طرح کرتے تھے۔

ایک دِن شہزادہ قباد باغ کی سیر کرتے ہوئے اُس حِصّے میں جا نِکلا جو صِرف شاہی محل کی عورتوں کے لیے مخصوص تھا۔ وہاں شہزادے کی مُلاقات شہزادی ماہِ سیما سے ہوئی جو مرزُوق فرنگی کی بھانج تھی اور ارشی تاجدار سے اِس کی شادی ہونے والی تھی۔ ماہِ سیما نے جب قباد کو دیکھا تو حیران ہوئی اور اپنی ایک کنیز سے پُوچھا۔

"یہ شخص کون ہے جو زنانہ باغ میں یُوں گھُوم رہا ہے۔ کیا اِس گُستاخ کو معلُوم

نہیں کہ اِدھر آنے کی سزا موت ہے۔"

وُہ کنیز اِتّفاق سے قباد کو پہچانتی تھی۔ اُس نے دانتوں میں اُنگلی دبائی اور شہزادی ماہِ سیما سے کہنے لگی۔ "اے حضُور، یہ وہی شہ زور ہے جِس نے موتِ اعظم پہلوان کا پنجہ توڑا اور اُسے گرفتار کیا تھا۔ یہ ہمارے شہزادوں ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار کا مہمان ہے۔"

شہزادی ماہِ سیما نے جب یہ بات سُنی تو اس بہادُر جوان سے مِلنے کا اِرادہ کیا اور اپنی کنیز کو بھیجا کہ اُسے بُلا لائے۔ قباد کنیز کے ساتھ گیا اور شہزادی کو جھک کر سلام کیا۔ اُس نے پُوچھا۔

"کیوں صاحب، آپ کا نام کیا ہے اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

قباد نے سوچا کہ اِس شہزادی کے سامنے سب کُچھ سچ سچ کہہ دینا چاہیے۔ ہنس کر جواب دیا۔ "میرا نام قباد شہریار ہے۔ نوشیرواں کا نواسہ اور جناب امیر کا بیٹا ہُوں۔"

شہزادی ماہ سیما نے قباد اور امیر حمزہ کا نام پہلے ہی سُن رکھا تھا۔ وُہ بے حد خُوش ہوئی۔ پھر رو کر کہنے لگی۔ ”اے شہزادے، افسوس کہ تُم بہُت دیر سے آئے۔ اب کوئی دِن جاتا ہے کہ میری شادی ارشی تاجدار سے ہونے والی ہے، لیکن میں اُسے پسند نہیں کرتی۔ کاش، میری شادی تمہارے ساتھ ہو سکتی۔“

”اسے شہزادی، رومت۔ اپنے آنسو پونچھ لو۔“ قبانے کہا۔ ”میں ارشی کے بھائی قریشی سے بات کر کے اُسے سمجھاؤں گا۔ مُمکن ہے وُہ میری بات مان لے۔“

شہزادی ماہ سیما کو تسلّیاں اور دلاسا دے کر قباد سیدھا قرشی تاجدار کے محل میں گیا اور ساری داستان سُنا کر کہا۔ ”ماہ سیما تمہارے بھائی کے ساتھ شادی کرنا بالکل پسند نہیں کرتی۔ اِس لیے بہتر ہے اُسے مجبور نہ کرو۔ میں اُس کے ساتھ شادی کرنے کو تیّار ہُوں۔“

قرشی تاجدار نے یہ بات سُنی تو اُس کا خُون کھول گیا۔ اُس نے دِل میں کہا ایک

معمولی سوداگر بچہ ایک عالی مرتبہ شہزادی سے شادی کرنے کی بات کرے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ لیکن وُہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُس نوجوان نے موتِ اعظم جیسے زبردست پہلوان کو شکست دی ہے۔ اِس سے لڑنا آسان نہیں۔ کِسی فریب سے کام لینا چاہیے۔ اُس نے مُسکرا کر قباد سے کہا۔

"یہ تو بُہت معمولی بات ہے۔ میں ابھی اپنے بھائی ارشی کو بُلاتا ہُوں۔ اُمّید ہے وُہ مان جائے گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

جب قباد وہاں سے چلاّ گیا تو قریشی نے ارشی کو بُلوایا اور سارا قِصّہ سُنایا۔ اُس نے جوش کے مارے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ ڈال دیا۔ اور کہا۔ "اِس نوجوان کی اتنی جرأت ہُوئی کہ وُہ شہزادی ماہ سیما سے شادی کرنے پر تُل گیا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ میں ابھی جاتا ہُوں اور اُس کا سر قلم کرتا ہوں۔"

"زیادہ جوش میں نہ آؤ۔ ہوش میں آن کر میری بات سُنو۔" قرشی نے اُسے روکا۔ "شہاب سے لڑنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ تُم اُس کی طاقت اور شجاعت دیکھ ہی چُکے ہو۔ وُہ اکیلا ہزاروں آدمیوں پر بھاری ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسی

تدبیر سوچو جِس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"ہاں بھائی، کہتے تو تُم ٹھیک ہو۔" ارشی نے کہا۔ پھر دونوں قباد سے نپٹنے کی تدبیر سوچنے میں مصروف ہو گئے۔ اِتنے میں ایک کنیز وہاں آئی اور دونوں بھائیوں کو ساری بات بتا دی کہ جِسے تُم لوگ شہاب سوداگر سمجھ رہے ہو، وُہ نوشیرواں کا نواسا امیر حمزہ کا بیٹا اور عَلَم شاہ کا بھائی ہے۔

یہ سُنتے ہی ارشی اور قرشی کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ سکتہ طاری ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اوسان بحال ہوئے تو اپنے عیّاروں کو طلب کر کے سارا واقعہ بیان کیا۔ عیّاروں نے کہا۔ "قباد کو گرفتار کر لینا کون سا مُشکل کام ہے۔ کھانے میں دوائے بے ہوشی ملا کر کِھلا دو۔ جب بے ہوش ہو جائے تو باندھ کر مرزُوق فرنگی کے پاس بھیج دو۔ وُہ امیر حمزہ اور اُس کے خاندان والوں کی تلاش میں ہے اور اُن کے خُون کا پیاسا ہے۔ اِس تدبیر سے تُم مرزُوق کو خُوش بھی کر دو گے اور قباد سے پیچھا بھی چھُوٹ جائے گا۔"

عیّاروں کی بتائی ہُوئی اِس تدبیر پر ارشی اور قرشی نے اُسی رات عمل کیا۔ قباد

کو کھانے میں دوائے بے ہوشی ملا کر بے ہوش کیا اور باندھ کر قید خانے میں ڈال دیا۔ صُبح جب قباد کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو زنجیروں میں بندھا پایا۔ قریب ہی موتِ اعظم پہلوان بھی اِسی حال میں پڑا تھا۔ اُس نے قباد کو پہچانا اور حیران ہو کر کہا۔

”اے نوجوان، تجھ پہ کیا آفت آئی کہ یُوں زنجیروں میں باندھ کر یہاں پھینکا گیا ہے۔“

تب قباد نے اُسے ساری داستان سُنائی اور کہا۔ ”مجھے شک ہے کہ اِن لوگوں کو میری اصلیت کا پتا چل گیا ہے۔“

موتِ اعظم پہلوان نے کہا۔ ”اے قباد، خوف زدہ نہ ہو۔ میں تیرے ساتھ ہُوں۔ اِس کُفر سے اُکتا گیا ہُوں۔ اب تیرے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر دینِ ابراہیمی میں داخل ہوتا ہُوں۔“

تین دِن بعد قباد اور موتِ اعظم دونوں کو قید خانے سے نِکالا گیا۔ دیکھا کہ

کیشۂ زنگی سامنے کھڑا دانت نِکال رہا ہے۔ قباد نے پُوچھا۔ ”اب ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟“

”آہا ہا۔۔۔ سلوک؟“ کیشۂ فرنگی نے قہقہہ لگایا۔ ”گھبراؤ نہیں بیٹا۔ میں تمہیں کُچھ نہ کہوں گا۔ ہاں، مرزُوق فرنگی کو تمہاری تلاش ہے۔ وُہ جو مُناسب سمجھے گا، تُم سے سلوک کرے گا۔“

اِتنے میں ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار کی سواری آئی۔ اُنہوں نے قباد کو گھُورتے ہُوئے کہا۔ ”تُم نے ہم پر بڑی بہادری کا رُعب جمایا تھا اور جھُوٹ بولا تھا کہ تمہارا نام شہاب ہے۔ حالانکہ ہمیں معلُوم تھا کہ تُم امیر حمزہ کے بیٹے ہو۔ مگر ہم نے تمہارا احسان مانا اور کُچھ نہ کہا۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کے تُم ہماری ہی عِزّت پر ڈاکہ ڈالنے کو تیّار ہو گئے۔“

قباد نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ موتِ اعظم گرج کر کہنے لگا۔ ”مرزُوق فرنگی کے مکّار بیٹو، یہ نہ سمجھنا کہ تُم ہمیں آسانی سے موت کے گھاٹ اُتار دو گئے۔ یہ لوہے کے چنے ہیں۔ تُم سے نہ چبیں گے۔“

”لے جاؤ اِن کو۔ میری نظروں کے سامنے سے دُور کرو۔“ ارشی تاجدار نے چلاّ کر کیشۂ زرنگی کو حکم دیا۔ وُہ ایک ہزار ہتھیار بند سواروں کے ساتھ دارالحکومت کی جانب روانہ ہو گیا۔

اُدھر شہزادی ماہ سیما کو بھی اِن دونوں بھائیوں کے کرتوت کا پتا چل چُکا تھا۔ اُس نے قباد شہریار کو کیشۂ فرنگی کی قید سے چھُڑانے کا تہیّہ کر لیا۔ جب سورج چھُپ گیا تو ماہ سیما نے اپنی چار سو کنیزوں باندیوں کو مردانہ کپڑے پہنائے اور سب کو ہتھیاروں سے لیس کر کے کیشۂ فرنگی کے تعاقب میں روانہ ہوئی۔ لیکن جاسوسوں نے ارشی اور قرشی تک خبر پہنچا دی کہ شہزادی ماہ سیما کِس ادارے سے گئی ہے۔ یہ دونوں بھائی بھی دو ہزار سواروں کے ساتھ شہزادی کے پیچھے روانہ ہوئے۔

آدھی رات کا وقت تھا کہ شہزادی کی زنانہ فوج نے کیشۂ فرنگی کو راستے میں جا لیا۔ وُہ اُس وقت ایک پہاڑ کے تلے آرام کر رہا تھا۔ یکایک شہزادی نے حملہ کیا اور بہت سے سواروں کو قتل کر کے قباد اور موتِ اعظم کی زنجیریں کاٹ

دیں۔ اب کیا تھا۔ اللہ دے اور بندہ لے۔ قباد اور موتِ اعظم نے مار مار کر کیشۂ فرنگی اور اُس کے سپاہیوں کا بھُرکس نِکال دیا اور سب نے ہتھیار پھینک کر ہار مان لی۔ اِتنے میں ارشی اور قرشی بھی آن پہنچے۔ اُن کے گمان میں بھی نہ تھا کہ قیدی یُوں آزاد ہو جائیں گے۔ جب اُنہوں نے عباد اور موتِ اعظم کے ہاتھوں میں تلواریں دیکھیں تو تھر تھر کانپنے لگے اور امان امان چِلاّتے ہُوئے جھٹ قباد کے قدموں پر آن گرے اور کہا

"اے قباد، ہم پر ترس کھا۔ تُو شیر دِل باپ کا شیر دِل بیٹا ہے۔"

تب قباد نے اُنہیں معاف کیا اور کہا۔ "اگر دینِ ابراہیمی پر ایمان لاؤ تو میں تُم سے خُوش ہُوں۔"

ارشی اور قرشی فوراً ایمان لے آئے۔ کیشۂ فرنگی نے بھی کلمہ پڑھا لیکن دِل ہی دِل میں قباد کو گالیاں دیتا جاتا تھا اور سوچ رہا تھا کہ موقع مِلے تو اِسے ایسی جگہ ماروں جہاں پانی نہ مِلے۔

غرض یہ سب لوگ واپس شہر قرشیہ میں آئے۔ ایک دِن کیشۂ فرنگی نے قباد سے کہا۔ ”اِس میں کوئی شک نہیں کہ آپ نہایت دِلاور اور جرّی آدمی ہیں۔ لیکن میں اس وقت آپ پر پورا پورا بھروسا کروں گا جب آپ ایک خُوف ناک اژدھے کو ہلاک کر دیں۔ یہ اژدھا کوہ پُر شکوہ پر رہتا ہے اور اب تک ہزارہا آدمیوں کو ہڑپ کر چُکا ہے۔“

شہزادہ قباد نے کہا۔ ”تُم میرے ساتھ چلو اور مجھے وُہ جگہ دِکھاؤ جہاں یہ اژدھا رہتا ہے۔ پھر میں اُسے ہلاک کرنے کی کوشش کروں گا۔“

موتِ اعظم نے جب یہ باتیں سُنیں تو کیش فرنگی کی طرف قہر کی نظر سے دیکھا اور قباد سے کہا۔ ”اے شہزادے، یہ کیشۂ نہایت نمک حرام اور دغاباز ہے۔ یہ دِل میں آپ سے دُشمنی رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ کِسی نہ کِسی طرح آپ کی جان کو نقصان پہنچائے۔ اِس کی بکواس پر بات دھیان نہ دیجئے۔ میرا کام سمجھانا تھا آگے آپ کو اِختیار ہے۔“

قباد نے ہنس کر کہا۔ ”مُمکن ہے تُو ٹھیک کہتا ہو مگر یہ ہماری شان سے بعید ہے

کہ کِسی کی درخواست کو رد کر دیں۔ اب ہم اُس اژدھے کو مارنے ضُرور جائیں گے اور خُدا کی ذات سے اُمّید ہے کہ کام یاب واپس آئیں گے۔"

شہزادی ماہ سیما نے جب اِس خطرناک مُہم کا ذِکر سُنا تو اُس نے بھی قباد کو روکنے کی بڑی کوشش کی مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور اگلے ہی روز کیشۂ فرنگی اور موتِ اعظم پہلوان کو ساتھ لے کر کوہ پُر شکوہ کی جانب روانہ ہُوا۔

دربند ریحانیہ میں امیر حمزہ اور اُن کا لشکر بہُت دِن ٹھہرا رہا مگر عَلَم شاہ اور سلطان سعد کی کُچھ خبر نہ پائی۔ اِس اثنا میں خوراک کا ذخیرہ ختم ہُوا اور سپاہی اور جانور بھوکے مرنے لگے۔ اِرد گرد کوسوں تک صحرا ہی صحرا پھیلا ہُوا تھا۔ وہاں خوراک تو در کنار میٹھے پانی کا ایک قطرہ ملنا بھی دُشوار تھا۔

دوستوں نے مشورہ دیا کہ دوبارہ کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہُوں اور کِسی دوسرے علاقے میں جا کر اُتریں۔ امیر حمزہ نے یہ مشورہ مان لیا اور سمندر میں

دوبارہ سفر شروع ہُوا۔ تین روز بعد ساحل پر سے ایک سرسبز میدان دِکھائی دیا۔ امیر حمزہ اور اُن کے ساتھی زمین پر آئے۔ گھوڑوں کو تو گھاس کھانے کے لیے مِل گئی تھی مگر اِنسانوں کے لیے غلّہ درکار تھا۔

عُمرو نے چند عیّاروں کو روانہ کیا کہ ذرا گھُوم پھِر کر معلُوم کریں کہ قریب کوئی شہر ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اُس کا نام کیا ہے اور شہر کا حاکم کون ہے۔ عیّار ہُوا کی رفتار سے گئے اور واپس آئے۔ اُنہوں نے بتایا کہ ایک پہاڑ کے پیچھے شہر کورانیہ آباد ہے اور وہاں کا حاکم گیرنگ شاہ ہے۔ اِس پہاڑ پر ایک مضبوط قلعہ بھی بنا ہُوا ہے جِس میں شہر کی حفاظت کے لیے بڑی تعداد میں فوج رہتی ہے۔

اِتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ پچاس ساٹھ ہتھیار بند سوار گھوڑے اُڑائے چلے آتے ہیں۔ قریب آن کر وُہ رکے اور اُن کے سردار نے کہا۔

”تُم لوگ کون ہو اور اِس مُلک میں آنے کا مقصد کیا ہے؟“

"ہم سوداگر ہیں۔ تجارت کا سامان لائے ہیں۔ اِتّفاق سے ہمارے پاس غلّہ بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اگر آپ مہربانی کریں تو کُچھ سامان ہم سے لے لیں اور غلّہ دے دیں۔" عُمرو عیّار نے جواب دیا۔

یہ سُن کر سپاہیوں کا سردار ناراض ہُوا اور کہنے لگا۔ "ہمارے حاکم گیرنگ شاہ کا حکم ہے کہ تُم لوگ جِدھر سے آئے ہو اُسی طرف فوراً واپس چلے جاؤ۔ یہاں ٹھہرنے کی کِسی کو اِجازت نہیں ہے۔"

امیر حمزہ نے کہا۔ "بھائی ہم ہمیشہ اِسی طرف سے آتے جاتے ہیں آخر منع کرنے کی کوئی وجہ تو ہو؟"

"زیادہ بحث نہ کرو۔" سردار نے چِلاّ کر کہا "ہمارے حاکم کے پاس مرزُوق فرنگی کا حکم آیا ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ کورانیہ کے ساحل پر، خواہ سوداگر ہو، خواہ مُسافر، کِسی کو اُترنے کی اِجازت نہ دی جائے۔"

"بُہت بہتر ۔۔۔ ہم واپس چلے جاتے ہیں، مگر اپنے حاکم گیرنگ شاہ سے کہیے

کہ ہمیں غلّہ دے اور قیمت لے۔" عُمرو نے کہا اور چپکے سے رشوت کے طور پر اشرفیوں سے بھری ہُوئی ایک تھیلی سردار کو تھما دی۔ اُس نے جیب میں رکھ لی اور کہنے لگا۔

"اچھّا، میں ابھی گیرنگ شاہ سے بات کر کے آتا ہُوں۔ غلّے کے عِوض تُم لوگ ہمیں کیا دو گے؟"

"جناب، یہ بڑے بڑے صندُوق آپ دیکھ رہے ہیں۔ اِن سب میں اشرفیاں اور جواہر بھرے ہوئے ہیں۔ ایسے ایسے چالیس صندُوق آپ کی خِدمت میں پیش کیے جائیں گے۔" عُمرو نے کہا۔ اور پھر ایک صندُوق کھول کر بھی دِکھلا دیا جو سونے کی اشرفیوں اور قیمتی پتھروں سے اُوپر تک بھرا ہُوا تھا۔

اِتنا مال دولت دیکھ کر سردار کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ اُسی وقت دوڑا دوڑا گیا اور گیرنگ شاہ سے کہا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ ساحل پر اترا ہے۔ اُن کے پاس اناج ختم ہو چُکا ہے اور نوبت فاقوں تک آن پہنچی ہے۔ اُنہوں نے مجھے اشرفیوں اور جواہرات سے بھرے ہُوئے چالیس صندُوق دِکھائے ہیں اور کہا

ہے کہ اگر ہم اُنہیں اِنہی صندوقوں میں بھر کر غلّہ دے دیں تو وُہ یہ سب دولت ہمیں دے دیں گے۔

گیرنگ شاہ نے کہا۔ "فوراً واپس جاؤ اور اُن سے کہو کہ صندُوق لے آئیں اور غلّہ لے جائیں۔" سردار واپس آیا اور اُس نے کہا کہ ہمارا حاکم تمہیں غلّہ دینے کو تیّار ہے۔ ابھی یہ صندُوق میرے ساتھ لے کر چلو۔

عُمرو نے اُس کے آنے سے پہلے ہی ہر صندُوق میں ایک ایک زبردست پہلوان چھپا دیا تھا۔ اُن میں امیر حمزہ کے علاوہ لندھور بھی تھا اور بہرام خاقانِ چین بھی۔ سلطان بخت مغربی، استفتانوش، صَدَف نوش، حارث، طائل زنگی اور مُقبِل وفادار بھی شامل تھے۔ یہ صندُوق ایسے تھے کہ اُوپر سے نہ کھل سکتے تھے۔ البتّہ اندر سے کھل سکتے تھے۔ عُمرو نے اِن پہلوانوں سے کہا تھا کہ جب تک میں سیٹی نہ بجاؤں تُم صندوقوں سے باہر نہ آنا۔

غرض صندُوق اُونٹوں پر لاد کر شہر کورانیہ میں پُہنچے۔ گیرنگ بے چینی سے اِنتظار کر رہا تھا۔ عُمرو کے شاگرد مزدوروں کا لباس پہنے ہُوئے، لیکن کپڑوں

میں ہتھیار چھپائے ہُوئے ساتھ ساتھ تھے۔

عُمرو نے جاتے ہی گیرنگ کو جھک کر سلام کیا اور کہا۔ ”حضُور، کی جان و مال کو ہم غریب سوداگر سدا دُعائیں دیں گے کہ اِس نازک موقع پر ہمیں غلّہ عطا کر کے ہماری جانیں بچائیں۔ ورنہ ہم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔“

گیرنگ نے مکّاری سے مُسکرا کر کہا۔ ”اگر ہم تمہیں غلّہ نہ دیں اور سب صندُوق چھین لیں تو تُم کیا کرو گے۔“

”حضُور، آپ مائی باپ ہیں۔ ہم غریب سوداگر بھلا کیا کریں گے۔ مگر اب مذاق موقوف فرمایئے اور غلّہ دیجئے۔“

”ابے پر کٹے۔ ہم تجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔“ گیرنگ نے ناراض ہو کر کہا۔ ”کیا تُو نے ہمیں کوئی مسخرہ سمجھا ہے؟ لگا دو اِن سب صندوقوں میں آگ۔“

یہ سُنتے ہی غُلام دوڑے اور خُشک لکڑیاں جمع کر کے صندوقوں کے نیچے رکھیں اور آگ لگانے کی تیّاریاں کیں۔ یہ دیکھ کر عُمرو گھبرایا اور کہنے لگا۔

”حضُور، میں اِس گُستاخی کی معافی چاہتا ہُوں۔ میرا مقصد آپ کی توہین کرنا نہ تھا۔“

”اچھّا، یہاں سے بھاگ جا۔ ہم نے تیری جان بخشی کی۔“

”مگر حضُور۔۔۔۔۔وُہ غلّہ۔۔۔۔“

”ابے بھاگتا ہے یا نہیں۔“ گیر نگ شاہ نے جھلّا کر کہا۔ ”نہ جانے یہ سوداگر کہاں سے آن مرنے ہیں۔ کھانے کو دانہ نہیں اور چلے ہیں تجارت کرنے۔ چلو دفان ہو جاؤ یہاں سے۔“

اب تو عُمرو کے تلووں میں آگ لگی اور کھوپڑی تک پہنچی۔ دانت پیس کے کہنے لگے۔ ”ابے او گیر نگ شاہ۔ دیکھ ابھی تجھے بے رنگ کرتا ہُوں۔ تُو ہماری کیا جان بخشی کرے گا۔ خبر دار ہُو جا۔ میں تیرے واسطے عزرائیل بن کر آیا ہُوں۔“

”پکڑو اِس بدمعاش کو۔ بچ کر نہ جانے پائے۔“ گیر نگ شاہ چلّایا۔

غُلام تلواریں سونت کر عُمرو کی طرف لپکے، مگر اُس نے اُنگلیاں مُنہ میں ڈال کے زور سے سیٹی بجائی۔ سیٹی کا بجنا تھا کہ کھٹا کھٹ تمام صندوقوں کے ڈھکے اندر سے کھل گئے اور پہلوان ہاتھوں میں خنجر لیے باہر نکلے۔ گیرنگ شاہ کی سِٹّی گُم ہو گئی۔ مگر اُس نے سنبھل کر نعرہ لگایا۔ ''کوئی زندہ نہ بچے۔''

اُس کی فوج آناً فاناً پہلوانوں پر بجلی بن کر گِری اور جنگ شروع ہو گئی۔ کہاں ہزاروں ہتھیار بند سپاہی اور کہاں چالیس پہلوان اور چند عیّار۔ لیکن پھر بھی اِن بہادروں نے تھوڑی دیر میں دُشمن کے چھکے چھُڑا دیے۔ گیرنگ شاہ نے عُمرو کو تاڑا اور اُس کی طرف لپکا۔ عُمرو وہاں سے بھاگا۔ گیرنگ اُس کے پیچھے گیا۔ عُمرو گھبرا کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا اور اوپر سے پتھر پھینکنے لگا۔ دو ایک پتھر گیرنگ کی کھوپڑی پر لگے اور وُہ زخمی بھی ہُوا لیکن عُمرو کو پکڑنے کی نیّت سے پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اب عُمرو کہاں بھاگتا۔ ڈر کر خُدا سے دُعا مانگنے لگا کہ یا الٰہی، تُو ہی اِس مُوذی سے بچانے والا ہے۔

اِتنے میں گیرنگ تلوار ہاتھ میں لیے دانت پیستا ہُوا عُمرو کے بالکُل نزدیک آن

پہنچا۔ یکایک عُمرو نے دیکھا کہ ایک دیو قامت حبشی نمودار ہُوا۔ اُس نے آتے ہی عُمرو کر سلام کیا۔ عُمرو اِس حبشی کا ڈیل ڈول اور صُورت دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ دِل میں کہا، یا الٰہی، میں نے تو گیرنگ سے بچنے کی التجا کی تھی تُو نے اُلٹا ایک دُشمن اور بھیج دیا۔

حبشی نے کہا۔ "جناب، مجھ سے خُوف نہ کھایئے۔ میں آپ کا غُلام ہُوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے گیرنگ کو پکڑ لِیا اور تلوار چھین کر پھینک دی۔ پھر اُسے اُٹھا کر پہاڑ سے نیچے گرا دیا۔ گیرنگ کی ہڈّی پسلی ایک ہو گئی۔ عُمرو حبشی کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی سے اُتر کر میدان میں آیا۔ وہاں ابھی تک جنگ جاری تھی۔ امیر حمزہ، لِندھور اور بہرام وغیرہ سر دھڑ کی بازی لگائے دُشمن سے لڑ رہے تھے۔ حبشی نے آتے ہی ایک زبردست نعرہ لگایا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کو جہنّم رسید کر دیا۔ وُہ اِتنی بہادری اور بے خوفی سے لڑ رہا تھا کہ لِندھور بھی لڑائی بھُول کر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

اِتنے میں ایک اور فوج نمودار ہوئی۔ اُس کے آگے آگے نقاب دار پلنگینہ

پوش گھوڑے پر سوار بڑی شان سے اُڑا آتا تھا اور اُس کے پیچھے بیس ہزار نقاب پوش تھے۔ اُنھوں نے آتے ہی گیر نگ شاہ کی بچی کھچی فوج کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا اور دُشمن نے ہتھیار پھینکے اور امان طلب کی۔ امیر حمزہ نے سب کو امان دی۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ عُمرو عیّار کہیں نظر نہ آیا۔ کِسی نے بیان کیا کہ عُمرو پہاڑ پر چڑھا تھا اور گیر نگ شاہ اُس کے پیچھے لپکا تھا۔ اِتنے میں دُور سے عُمرو آتا دِکھائی دیا۔ اُس نے دوڑ کر سب سے پہلے نقاب دار پلنگینہ پوش کی رکاب کو بوسہ دیا اور پُوچھا۔

"خُدا جانتا ہے آپ جیسا بہادُر میں نے اِس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ چہرے سے نقاب تو اُٹھایئے اور ہمیں بتایئے آپ ہیں کون؟ مجھے تو غیبی فرشتے معلُوم ہوتے ہیں۔"

نقاب دار نے غمگین لہجے میں جواب دیا۔ "بس اِتنا جان لیجئے کہ ہم بھی تمھاری طرح مردِ مومن ہیں اور وُہ ہیں کہ جِس کا کوئی پوچھنے والا نہیں۔۔۔۔ مصیبت ہر وقت ہمارے ساتھ رہتی ہے۔ اِسی محل میں رہتے ہیں۔"

”حضرت، جب تک آپ اپنا نام نہ بتائیے گا، میں آپ کو چھوڑنے والا نہیں۔“ عُمرو نے کہا، مگر نقاب دار نے کُچھ جواب نہ دیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آناً فاناً ہَوا ہو گیا۔ اِس کے بیس ہزار نقاب دار سوار بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ عُمرو حیرت سے اُنہیں جاتے دیکھتا رہا۔ اِتنے میں امیر حمزہ خُود وہاں آ گئے اور عُمرو سے پُوچھا۔ ”یہ نقاب دار کون تھا؟ ہم سے ملاقات کیے بغیر ہی چلا گیا۔“

”اے امیر، مجھے شک ہے کہ یہ تمہارا فرزند قباد تھا۔“ عُمرو نے کہا۔ تب امیر حمزہ آب دیدہ ہُوئے اور کہنے لگے۔

”ہاں، اِس کے لڑنے کے انداز سے کُچھ شک تو مجھے بھی ہُوا تھا۔“

قِصّہ مُختصر سب فاتح بن کر شہر کورانیہ میں داخِل ہوئے۔ امیر حمزہ نے گیرنگ کے محل میں اپنی بارگاہ قائم کی۔ سب پہلوانوں کو درجہ بدرجہ کُرسیاں اور تخت عطا کیے گئے اور شہر کا اِنتظام ہونے لگا۔ یکایک عُمرو عیّار کو اُس دیو جیسے حبشی کا خیال آیا جِس نے پہاڑ پر اُس کی جان بچائی تھی۔ وُہ اُسے ڈھونڈنے نِکلا تو دیکھا کہ وُہ محل کے بڑے دروازے پر بیٹھا ہے اور ہاتھ میں دس من وزنی

گُرز ہے۔ وُہ عُمرو کر دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہُوا اور سلام کر کے بولا۔

”اُستاد، میں تو آپ کی تلاش میں تھا۔“

”ارے بھائی، میں خُود تمہیں ڈھونڈ رہا ہُوں۔“ عُمرو نے کہا۔ ”آؤ میں حمزہ کی خِدمت میں لے چلوں۔ تُم نے آج مجھ پر بڑا اِحسان کیا ہے۔ گیرنگ کے ہاتھوں میری جان بچائی۔“

عُمرو اُسے لے کر امیر حمزہ کے پاس آیا اور ساری داستان کہہ سُنائی۔ امیر نے پسندیدہ نظروں سے حبشی کو دیکھا اور اتنی عِزّت کی کہ اپنے قریب ہی بٹھا لِیا پھر پُوچھا۔ ”کیوں بھائی، تمہارا نام کیا ہے اور اِس مُلک میں کیسے آئے؟“

حبشی نے ٹھنڈی آہ بھری اور اپنا حال یُوں بیان کرنے لگا۔

”اے امیر، میرا نام ریحان حبش ہے۔ میرا باپ مُلک حبش کا بادشاہ تھا اور میری شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہونے والی تھی۔ یکایک ناگہانی موت سے میرا باپ مر گیا اور چچا نے تخت پہ قبضہ جمایا۔ اب چچا کی نیّت خراب ہُوئی۔ اپنی بیٹی

کی شادی مجھ سے کرنے کے بجائے میری موت کی سازش کرنے لگا لیکن مجھے کِسی طرح پتا چل گیا۔ میں نے رو رو کر اپنے چچا سے کہا کہ مجھے تخت و تاج کی حاجت نہیں۔ تُو صرف مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دے۔ مگر وُہ ظالم کِسی طرح نہ پسیجا اور میری جان کے درپے رہا۔ آخر ایک اندھیری رات میں چار غُلام مجھے مارنے کے لیے بھیجے لیکن میں اِن کے قابو میں نہ آیا اور وہاں سے فرار ہو کر صحرا میں پہنچا۔ موت کے خوف سے غاروں اور ویرانوں میں چھُپتا پھرتا تھا۔ آخر ایک دِن اِس زِندگی سے تنگ آکر خُود کُشی کا اِرادہ کر کے گلے میں پھندا ڈالا اور درخت سے لٹک گیا۔ اِتنے میں ایک نُورانی شکل کے بزُرگ نمودار ہوئے۔ تلوار سے رسّا کاٹ ڈالا اور مجھے کہنے لگے۔"

"اے نوجوان، کیوں اپنی جان کا دُشمن ہُوا ہے؟ جا ہم نے تجھ پر نظرِ کرم کر دی ہے۔"

یہ کہہ کہ اُن بزُرگ نے اپنے مُبارک ہاتھ سے پٹکا میری کمر میں باندھا اور کہا۔ "آج سے تیری پیٹھ زمین پر کوئی نہ لگا سکے گا۔"

"میں نے بڑی عاجزی سے پُوچھا حضرت اپنا نامِ نامی تو بتاتے جایئے۔ اُنہوں نے فرمایا میرا نام مردان شاہ ہے۔ اب تو یہاں سے مُلکِ فرنگستان کی جانب روانہ ہو۔ وہاں ایک پہاڑ پر، جو شہر کورانیہ کے قریب ہے تیری ملاقات عیّاروں کے شہنشاہ عُمرو بن اُمیّہ خمیری سے ہو گی۔ تُو فوراً اُس کا شاگرد بن جائیو اور جب حمزہ سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہیو۔ وہی تیری شادی کرائیں گے اور تیری سلطنت تجھے واپس دِلائیں گے۔ پس میں بُہت دِن سے خواجہ عُمرو کی ملاقات اور آپ کی زیارت کے اِنتظار میں تھا۔ آج اپنی مراد کو پہنچا۔ اب مجھے دِین ابراہیمی میں داخل فرمایئے۔"

امیر حمزہ نے اُس کی خُواہش پُوری کی۔ پِھر عُمرو نے اُسے اپنی شاگردی میں لیا اور سارے لشکر میں مِٹھائی بانٹی گئی۔ ریحان حبش کو تخت پر دربار میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا اور یہ بُہت بڑا اعزاز تھا۔

ایک دِن اُس نے عَلَم شاہ کا ذکر امیر حمزہ سے کیا اور کہا کہ میں نے اُس بہادُر نوجوان کو دیکھا ہے۔ واقعی رُستم کا خطاب اِسی پر سجتا ہے۔ آج کل وُہ قلعۂ

آہن حصار میں رہتا ہے اور اُس نے سمینہ بانو دُختر مالا گرد پہلوان سے شادی کرلی ہے۔

امیر حمزہ اپنے بیٹے عَلَم شاہ کا ذکر سُن کر بے حد خُوش ہُوئے۔ پھر سعد کا حال دریافت کیا۔ ریحان حبشی نے اُس کی بھی بے حد تعریف کی۔ لیکن جب قباد کا نام آیا تو اُس نے گردن ہلا کر کہا۔ ”افسوس کہ اِس نام کے کِسی شہزادے سے واقف نہیں ہُوں۔“

امیر حمزہ نے عُمرو عیّار کو عَلَم شاہ اور سعد کے پاس روانہ کیا اور کہلوایا کہ بابا ہم تو تمہارے واسطے اِتنی دُور سے آتے ہیں اور تمہیں خبر نہیں۔

عُمرو تیزی سے سفر کرتا ہُوا قلعۂ آہن حصار میں پہنچا۔ دیکھا کہ کئی لاکھ فوج قلعے سے باہر پڑی ہے۔ دروازوں پر ہتھیار بند چوب دار مُستعد پہرے پر کھڑے ہیں۔ عُمرو نے ایک چوب دار سے کہا۔

”بھائی، ہمیں قلعے کے اندر جانے دو۔ ہم عَلَم شاہ کے باپ کا ایک پیغام لے کر

آئے ہیں۔"

چوب دار نے گھور کر عُمرو کو دیکھا اور کہا۔"زبان سنبھال کر بات کر۔ عَلَم شاہ کا نام کِس بد تمیزی سے لیتا ہے۔ وُہ ہمارا بادشاہ ہے۔ اگر تُو اِس مُلک میں اجنبی نہ ہوتا تو ابھی گردن اُڑا دیتا۔"

"اچھّا بھائی اچھا۔ مجھ سے غلطی ہُوئی۔ معافی چاہتا ہُوں۔ اب مہربانی کر کے اپنے بادشاہ رستم فیل تن جناب عَلَم شاہ صاحب کی خِدمت میں عرض کرو کہ امیر حمزہ کی جانب سے عُمرو درِ دولت پر حاضر ہے۔ اور باریابی کی اِجازت کا طلب گار ہے۔"

"ہاں، یُوں بولو نا۔" چوب دار نے کہا اور عَلَم شاہ کو خبر دینے کے لیے قلعے کے اندر گیا۔ اُدھر عَلَم شاہ دربار لگائے بیٹھا تھا۔ چوب دار نے عُمرو کے آنے اور امیر حمزہ کا پیغام لانے کا ذکر کیا تو وُہ تخت سے اُترا اور بھاگتا ہُوا دروازے پر آیا۔ آتے ہی عُمرو کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ادب سے بولا۔

”آیئے چچاجان، اندر تشریف لے چلیے۔“

چوب دان نے جب عُمرو کی یہ عِزّت دیکھی تو دِل میں بے حد خوف زدہ ہُوا اور سوچنے لگا اگر اس نے بادشاہ سے میری شکایت کر دی تو مارا جاؤں گا۔ کیا تدبیر کروں۔ عُمرو نے بھی کنکھیوں سے چوب دار کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ وُہ کیا سوچ رہا ہے۔ تب عُمرو نے عَلَم شاہ سے کہا۔

”میں ذرا اِس چوب دار سے ایک بات کر لوں۔ پھر آپ کے ساتھ چلتا ہُوں۔“

پھِر عُمرو اُس چوب دار کو ایک طرف لے گیا۔ اور کہنے لگا۔ ”کیوں میاں، اب بولو کیا کہتے ہو، تُم نے جو بد تمیزی میرے ساتھ کی ہے۔ اس کی شکایت کروں عَلَم شاہ سے؟“

چوب دار کا کلیجا مُنہ کو آ گیا۔ بے چارہ تھر تھر کانپنے لگا۔ یہ دیکھ کر عُمرو نے کہا۔ ”تمہارے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کُچھ مال وال ہے تمہارے پاس؟“

"ج۔۔۔۔ جی۔۔۔۔ جی۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ میرے پاس سونے کی ایک انگوٹھی ہے۔" چوب دار نے ہکلاتے ہُوئے جواب دیا۔

"لاؤ جلدی سے وُہ میرے حوالے کرو۔" عُمرو نے انگوٹھی اُس سے ہتھیائی اور عَلَم شاہ کے ساتھ دربار میں گیا۔ پھر زمرّد کے بنے ہوئے ایک قیمتی تخت پر آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے بعد کہنے لگا۔

"اے عَلَم شاہ، مجھے تجھ سے بڑا خُوف آتا ہے۔ تیرے ایک طمانچے میں سلطنت جاتی رہتی ہے۔"

یہ سُن کر عَلَم شاہ نے ندامت سے گردن جھکائی پھِر کہا۔ "چچا جان، اللہ جانتا ہے میں اپنی اس حرکت پر بے حد شرمندہ ہُوں کہ ایک معمولی سی بات پر قباد کو طمانچہ مار بیٹھا۔ نہ معلُوم پیارے ابّا میرے بارے میں کیا سوچتے ہُوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اُنہیں اپنی صُورت دِکھانے کے قابل نہیں رہا۔"

"نہیں بیٹا، وُہ تُم سے ناراض نہیں ہیں۔" عُمرو نے کہا۔ "بلکہ وُہ تُم سے مُلاقات

کے لیے فرنگستان میں آئے ہیں اور تمھیں یاد کرتے ہیں۔"

عَلَم شاہ نے خُوش ہو کر کہا۔ "اگر اُنھوں نے مجھ رُوسیاہ غُلام کو یاد فرمایا ہے تو حاضر ہونے میں کیا عُذر ہے۔ انشا اللہ ایک ہفتے میں حاضر ہوتا ہُوں۔ آپ اُن کی خِدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے۔"

"سلطان سعد کو بھی ساتھ لے کر آنا۔" عُمرو نے تاکید کی اور عَلَم شاہ نے وعدہ کر لیا۔

دُوسرے روز عُمرو واپس امیر حمزہ کے پاس آیا اور اِطّلاع دی کہ عَلَم شاہ نے ایک ہفتے بعد حاضر ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ امیر بے چینی سے ایک ایک دِن گننے لگے۔ آخر ساتواں دِن بھی گُزر گیا، اور عَلَم شاہ نہ آیا۔ تب اُنھوں نے عُمرو سے پُوچھا۔ "کیا بات ہے، عَلَم شاہ نہیں آیا؟"

"میں خُود حیران ہُوں۔ وُہ تو قول کا بڑا پکّا ہے۔ ضُرور کوئی خاص وجہ ہو گی۔" عُمرو نے جواب دیا۔

اب ذرا عَلَم شاہ اور سلطان سعد کا حال سُنیے۔ ساتویں روز یہ دونوں امیر حمزہ سے مِلنے کے لیے قلعہ آہن حصار سے نکلے۔ جب آدھا راستہ طے کر لِیا تو ایسے مُقام پر پُہنچے جہاں سے دائیں بائیں دو اور راستے نکلتے تھے۔ اب یہ پریشان ہوئے کہ کِس راستے پر جائیں۔ اِتّفاق سے ایک اور مُسافر مِل گیا۔ اُس سے پتا پُوچھا تو اُس نے کہا کہ دایاں راستہ قریب کا اور بایاں دُور کا ہے لیکن مُصیبت یہ ہے کہ قریب کے راستے میں ایک دِیوانہ رہتا ہے جِس کا نام نہنگ ہے۔ مرزُوق فرنگی نے اُسے ہلاک کرنے کی بڑی کوشش کی۔ ہزار بار فوجیں بھیجیں مگر وُہ کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ آخر عاجز آ کر اِعلان کر دیا کہ اِس راستے سے کوئی نہ گُزرے۔ اب اگر کوئی گُزرتا ہے تو دِیوانہ نہنگ اُسے مار ڈالتا ہے۔

یہ قِصّہ سُن کر عَلَم شاہ نے کہا میں تو اِسی راستے سے جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وُہ دِیوانہ میرا کیا بگاڑتا ہے۔ غرض سعد اور عَلَم شاہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے اُسی راہ پر ہو لیے۔ جب کُچھ دُور گئے تو دیکھا بہُت سے وحشی اور ننگ دھڑنگ

آدمی جمع ہیں اور جانوروں کا شکار کر رہے ہیں۔ عَلَم شاہ نے اُن کے نزدیک جا کر گھوڑا روکا اور ایک وحشی سے پُوچھا۔

"تُم لوگ کون ہو اور تمہارا حاکم کہاں ہے؟"

اُس نے جواب میں کہا "ہم سب دِیوانے ہیں اور نہنگ کے ساتھی ہیں۔ تُم یہاں کیوں آئے؟ جلد واپس جاؤ ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

عَلَم شاہ نے اُس کے سر پر زور سے دھپ مارا۔ وُہ لڑھکتا ہُوا دُور جا گرا۔ یہ حرکت دیکھ کر دُوسرے دِیوانے طیش میں آ گئے۔ اُنہوں نے سعد اور عَلَم شاہ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی مگر اِتنی ہی دیر میں اُن دونوں نے پانچ چھ دِیوانوں کو زخمی کر دیا۔ باقی ڈر کے پیچھے ہٹ گئے۔ تب عَلَم شاہ نے للکار کے کہا۔

"اے دِیوانو، جاؤ اور اپنے آقا نہنگ کو خبر کرو کہ تیرا وقت آن پہنچا۔ فوراً ہماری خِدمت میں حاضر ہو اور اِطاعت قبول کر ورنہ اِتنا ماروں گا کہ سب

چوکڑی بھُول جائے گا۔"

دِیوانوں نے یہ بات نہنگ کے کانوں تک پہنچائی۔ وُہ گینڈے پر سوار ہُوا اور مُنہ سے جھاگ اُڑاتا ہُوا آیا۔ عَلَم شاہ اور سعد نے ایسا گرانڈیل اور کالا بھجنگ آدمی اِس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ نہنگ نے آتے ہی گرج کر کہا۔ "کون ہے وُہ گستاخ جِس نے ہماری سلطنت میں قدم رکھنے کی جرأت کی ہے۔"

"جناب، یہ گُستاخ میں ہُوں۔ میرا نام ہے رُستم۔" عَلَم شاہ نے مُسکرا کر جواب دیا۔ "تُو خُدا کی مخلوق کا خُون بہانا چھوڑ دے۔ آدمی بن۔۔۔۔۔۔ ورنہ ماروں گا۔"

اب تو دِیوانے کے غیظ و غضب کا آتش فشاں دھماکے سے پھٹا اور اُس نے عَلَم شاہ پر حملہ کیا۔ بھلا گھوڑے اور گینڈے کا کیا مُقابلہ۔ پہلے ہی حملے میں عَلَم شاہ کا گھوڑا دم توڑ گیا۔ جب نہنگ نے اپنے دُشمن کو پیدل دیکھا تو خود بھی گینڈے کی پیٹھ سے کُود کر زمین پر آیا اور عَلَم شاہ کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ تین دِن اور تین راتیں لگاتار اُن دونوں میں کُشتی ہُوئی۔۔۔۔ آخر عَلَم شاہ

نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہنگ کو پکڑا اور سر سے اُونچا اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ نہنگ کی ہڈّیاں کڑ کڑا گئیں اور اُس نے چِلاّ کر کہا۔

”اے رُستم، ہاتھ روک لے۔ میں تیری اِطاعت قبول کرتا ہُوں۔“

غرض نہنگ اور اُس کے تمام دِیوا نے دینِ ابراہیمی میں داخل ہوئے۔ تب عَلَم شاہ اور سعد وہاں سے رُخصت ہوئے اور کورانیہ میں آئے۔ امیر حمزہ کے لشکر نے بڑی دھُوم دھام سے اُن کا اِستقبال کیا۔ اور امیر حمزہ اُن کو لینے کے لیے بارگاہ سے باہر آئے اور دونوں کو باری باری سینے سے لگایا۔

طلسمی شہر

جب شہزادہ قباد کیشۂ فرنگی سے جُدا ہو کر اژدھے کی تلاش میں روانہ ہُوا تو کیشۂ شہر قرشیہ میں آیا اور موتِ اعظم پہلوان سے ہنس کر کہنے لگا۔ ’’میں شہزادے کو صحیح راستے پر لگا کر واپس چلا آیا ہُوں۔ اُمّید تو یہی ہے کہ وُہ اژدھے کو مار ڈالے گا۔‘‘

موتِ اعظم نے غُصّے سے بل کھا کر کہا۔ ’’اے کیشۂ، میری بات غور سے سُن لے۔ اگر قباد کا ایک رونگٹا بھی میلا ہُوا تو یاد رکھنا تیری بوٹیاں کر کے چیل کوّوں کو کھلاؤں گا۔‘‘

’’خیر، دیکھا جائے گا۔‘‘ کیشۂ نے جواب دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

اُدھر شہزادہ قباد شہریار اُس مقام کے نزدیک پہنچا جہان اژدھا رہتا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ کوسوں تک گھاس جلی ہوئی ہے، درخت جلے ہوئے ہیں اور پتھروں کا رنگ بھی کالا پڑ چُکا ہے۔ حتیٰ کہ زمین کی مٹّی بھی جل جل کر بھُورے رنگ کی ہو چُکی تھی۔ جب قباد کُچھ اور آگے بڑھا تو آگ کے شعلے بھی نظر آئے جو اژدھے کے مُنہ سے نِکل رہے تھے۔ اُس نے اندازہ کیا کہ بڑا زبردست اژدھا ہے اور ایک ہزار گز کے لگ بھگ لمبا ہے۔ جب سانس کھینچتا ہے تو تمام کنکر پتھّر اُس کے مُنہ میں چلے جاتے ہیں اور جب سانس چھوڑتا ہے تو تین تین چار چار کوس کے فاصلے پر جا کر گِرتے ہیں۔

تب قباد کو وُہ اژدھا یاد آیا جو امیر حمزہ نے کیشۂ فیض رساں میں ہلاک کیا تھا۔ اُس خُوف ناک اژدھے کے ہلاک کرنے کا واقعہ خُود امیر حمزہ نے ایک مرتبہ قباد کو سنایا تھا۔ قباد نے اُسی طرح پینترا بدل کر اژدھے پر تیر چلایا۔ تیر لگتے ہی اژدھے نے دُم جو کھینچا تو شہزادہ بے اختیار اژدھے کے مُنہ کی طرف چلا مگر فوراً سنبھل کر دوسرا تیر مارا جو اژدھے کی داہنی آنکھ میں لگا۔ اژدھے نے

ایسی چیخ ماری کہ تمام صحرا کانپ اُٹھا اور اِسی بے چینی کی حالت میں اُس کا مُنہ بھی پھِر گیا۔ شہزادے نے موقع پا کر تیسرا تیر مارا۔ وُہ بائیں آنکھ میں لگا۔ اب تو اژدھا اِس بُری طرح تڑپنے اور چیخنے لگا کہ خُدا کی پناہ۔ معلُوم ہوتا تھا کہ کوئی ہولناک طوفان آ گیا ہے۔ آخر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اژدھے کے چیخنے کی آوازیں شہر قرشیہ تک گئیں اور کیشہ بد اندیشہ نے سمجھا کہ اژدھا مارا گیا۔ اُس نے گھر سے نِکل کر صحرا کی راہ لی۔

اُدھر قباد نے نشانی کے لیے اژدھے کے کئی دانت اُکھاڑ کر اپنے پاس رکھے اور واپس شہر کی طرف چلا۔ تھوڑی دُور چل کر ایک خُوش نما باغ میں پہنچا اور ایک درخت کی چھاؤں میں لیٹ کر سستانے لگا۔ گھوڑے کو کھلا چھوڑ دیا تاکہ گھاس چرتا رہے۔ چند لمحے بعد وُہ غافل ہو کر خرّاٹے لینے لگا۔

اِتنے میں کیشہ فرنگی وہاں آیا۔ دیکھا کہ شہزادہ درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں گہری نیند سوتا ہے اور اُس کا وفادار گھوڑا اِدھر اُدھر مزے سے گھاس چر رہا ہے۔ کیشہ نے اپنی تلوار سے گھوڑے کی گردن کاٹ لی اور پھِر خُون سے

بھری ہُوئی وہی تلوار ہاتھ میں لیے قباد کی طرف دبے پاؤں بڑھا۔ جب اُس کے سرہانے پہنچا اور تلوار مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا تو ایک جانب سے آواز آئی۔

"اے قباد ہوشیار ہو۔ کیشۂ جفاپیشہ تلوار مارتا ہے۔"

یہ آواز سُنتے ہی کیشۂ کا دم نِکل گیا۔ پلٹ کر دیکھا۔ مگر آواز دینے والا نظر نہ آیا۔ اپنا وہم سمجھ کر پھِر تلوار اُٹھائی اور وار کرنے کا اِرادہ کیا۔ اِتنے میں وہی آواز پہلے سے زیادہ بُلند یہ کہتی سُنائی دی کہ قباد، خبر دار ہو۔ کیشۂ تجھ پر حملہ کرتا ہے۔ اِس مرتبہ شہزادے نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ مُوذی کیشۂ تلوار لیے کھڑا ہے۔ اُس نے قباد کو بیدار ہوتے دیکھا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ قباد اپنے گھوڑے کی طرف لپکا تاکہ کیشۂ کو پکڑ سکے مگر گھوڑے کو مرا ہُوئے پایا۔ اِتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے نقاب دار پلنگینہ پوش چلا آتا ہے۔ قباد کے نزدیک آکر وُہ اپنے گھوڑے سے اُترا اور کہا۔

”کیوں میاں قباد، اِسی برتے پر تُم عَلَم شاہ سے مُقابلہ کرنے کی ٹھانی ہے۔ ایک معمولی شخص تمہارے گھوڑے کو قتل کر کے بھاگ گیا اور تُم کھڑے مُنہ دیکھتے رہے۔ اب سوچتے کیا ہو۔ جلد میرے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ اور اس کو پکڑ لاؤ۔“

تب شہزادہ گھوڑے پر سوار ہو کر کیشۂ کے پیچھے روانہ ہُوا۔ اُسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ قباد ضُرور پیچھے آئے گا۔ اِس لِیے اندھا دُھند بھاگا اور بھاگتے بھاگتے ایسے مقام پر پہنچا جہاں کوئی لشکر اُترا ہُوا تھا۔ کیشۂ نے ایک آدمی سے پُوچھا کر یہ فوج کِس کی ہے؟ اُس نے بتایا کہ شاہ صفاتُرک اِس فوج کا مالک ہے۔ کیشۂ مکّار نے جھَٹ صفاتُرک کے سامنے جا کر ادب سے سلام کیا اور کہنے لگا۔

”اے بادشاہ، میرے تعاقب میں وُہ شخص آتا ہے جِس نے موتِ اعظم پہلوان کو زیر کیا ہے۔ میری جان بچائیے۔“

صفاتُرک نے کیشۂ سے کہا۔ ”ہرگز نہ گھبرا۔ اُسے یہاں آنے دے۔ ہم خُود نپٹ لیں گے۔“

اُدھر نقاب دار پلنگینہ پوش شہر قرشیہ میں پہنچا اور موتِ اعظم پہلوان سے سارا واقعہ کہا۔ موتِ اعظم نے ارشی تاجدار اور قرشی تاجدار کو اِطّلاع دی اور وُہ دونوں اپنی فوج لے کر قباد کی مدد کو روانہ ہُوئے۔

تھوڑی دیر بعد شہزادہ قباد کیشہ کو ڈھونڈتا ہُوا صفاتُرک کے لشکر میں آیا۔ سپاہیوں نے ہر چند اُسے روکنے کی کوشش کی مگر قباد اُنہیں مارتا کاٹتا برابر آگے بڑھتا چلا گیا۔ آکر صفاتُرک کے سامنے پہنچا اور تلوار سے اِشارہ کر کے کہا۔

"جلد بتا۔ وُہ مردود کیشہ فرنگی کہاں ہے؟"

کیشہ وہیں ایک ستون کے پیچھے چھپا کھڑا تھا۔ صفاتُرک نے قباد کو دیکھا تو سمجھ گیا کے اِس جوان سے مُقابلہ کرنا جان جوکھوں کا کام ہے اور یُوں بھی کیشہ فرنگی اُس کے دُشمنوں میں سے تھا۔ اِس لیے صفاتُرک کو اُس کے مُقابلے میں قباد کی دُشمنی مول لینے کا کوئی فائدہ نظر نہ آیا۔ وُہ اپنے تخت سے اُٹھا اور مُسکرا کر کہنے لگا۔

”آیئے آیئے۔ مجھے خُود آپ کی مُلاقات کا شوق تھا۔ میری انتہائی خُوش نصیبی ہے کہ آپ تشریف لائے۔ کیشۂ فرنگی تو کیا چیز ہے، میرا سر بھی آپ کی خِدمت میں حاضِر ہے۔“

صفاتُرک کے اچھّے رویّے سے قباد بُہت خُوش ہُوا اور اُس کے برابر تخت پر جا بیٹھا۔ ابھی کُچھ باتیں ہُوئی تھیں کہ موتِ اعظم، ارشی اور قرشی تاجدار بھی آن پہنچے۔ صفاتُرک نے اُن کا بھی اِستقبال کیا اور اِحترام سے بٹھایا۔ پھِر کیشۂ فرنگی کو طلب کیا۔ وُہ ہاتھ جوڑے، نظریں جھکائے تھر تھر کانپتا ہُوا سامنے آیا۔ صفاتُرک نے قباد سے کہا۔

”اے شہزادے، یہ اپنی خطا پر نادم ہے۔ آپ سے معافی چاہتا ہے۔“

”اے صفا، مجھے اِس پر بالکُل اعتماد نہیں۔ یہ پھِر دغا دے گا۔“

”دوبارہ ایسی حرکت کرے تو آپ کو اِختیار ہے جو چاہے سلوک کریں۔ اِس وقت تو اِسے معاف کر دیں۔“

یہ کہہ کر صفاتُرک نے کیشہ کو اِشارہ کِیا۔ اُس نے جھٹ جھک کر قباد کے پیر پکڑ لیے۔ آخر شہزادے نے مجبور ہو کر اُسے معاف کر دیا اور شہر قرشیہ کی طرف واپس ہُوا۔

عَلَم اور سلطان سعد کے آنے سے امیر حمزہ کو اِتنی خُوشی ہُوئی تھی کہ اُنہوں نے سات دِن تک جشن منانے کا حکم دیا تھا۔ اُس کے بعد عَلَم شاہ اور سعد امیر حمزہ سے اِجازت لے کر قلعہ آہن حصار کی جانب روانہ ہو گئے۔ شاید ہم آپ کو یہ بتانا بھُول گئے کہ اِس دوران میں نوشیرواں اور بختک وغیرہ بھی مُلک فرنگستان میں پہنچ چکے تھے۔ مرزُوق فرنگی تے نوشیرواں کو اپنے محل میں پناہ دی اور تسلّی دی کہ اب گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ حمزہ کو اُس کی موت میرے پاس کھینچ لائی ہے۔ اب وُہ فرنگستان سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔

آپ کو یاد ہو کہ آلا گرد نے اپنے بھائی مالا گرد کو دھوکے سے قید کر لیا تھا۔ لیکن مالا گرد نے آزاد ہو کر آلا گرد سے جنگ کی اور اُسے شکست دے کر گرفتار کیا اور اُسے ساتھ لے کر عَلَم شاہ کے پاس آیا۔ آلا گرد بھی دینِ

ابراہیمی میں داخل ہو گیا۔ اب یہ دونوں بھائی عَلَم شاہ کے جان نثاروں میں شامل ہیں۔ اب آگے سُنیے کہ کیا ہُوا۔

امیر حمزہ نے جب شہر کورانیہ سے کُوچ کیا تو لوگوں سے پُوچھا کہ اِس سے آگے کون سا شہر ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ آگے شہر انوریہ ہے جِس کا حاکم انور بادشاہ ہے اور پیکر بن اسلم پہلوان اُس کا سپہ سالار ہے۔ تب امیر نے عُمرو سے کہا۔ "اے خواجہ، اب تُم مرزُوق فرنگی کے شہر میں جاؤ اور وہاں کی خبر لاؤ۔ ہم شہر انوریہ کی جانب چلے ہیں۔ ہم سے وہیں آن کر ملنا۔"

عُمرو عیّار نے سیّارہ رُومی کو اپنے ساتھ لیا اور مرزُوق کے شہر میں داخل ہُوا۔ گھُوم پھِر کر خُوب سیر تفریح کی۔ اِس اثنا میں معلُوم ہُوا کہ مرزُوق کے اصطبل میں ایک گھوڑا اور شتر خانے میں دو اُونٹ بہترین نسل کے موجود ہیں۔ عُمرو نے اِن جانوروں کو ہتھیانے کا اِرادہ کیا۔ سیّارہ رُومی کو کُچھ تدبیر سمجھانے کے بعد رات کے وقت اصطبل کی جانب بھیجا اور خود شُتر خانے کی طرف چلا۔

سیّارہ رُومی جب اصطبل کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے ایک سائیس باہر آیا۔ سیّارہ نے اُسے سلام کر کے کہا۔ ''کیوں اُستاد، کِدھر جاتے ہو؟ خیریت تو ہے؟''

سائیس سمجھا کہ یہ شخص میرا جاننے والا ہے۔ اُس نے کہا۔ ''ارے بھائی، میں اپنے گھر کھانا کھانے جاتا ہُوں۔ دو گھنٹے بعد واپس آؤں گا۔''

یہ کہہ کر وُہ چلا۔ سیّارہ اُس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور راہ میں ایسی باتیں کیں کہ سائیس ناخُوش ہُوا اور چیخ کر بولا۔ ''ابے تو ہے کون جو میرے ساتھ چمٹا ہُوا ہے؟ میں نے آج سے پہلے تیری شکل نہیں دیکھی۔ جا اپنا راستہ لے۔''

تب سیّارہ رُومی نے ایک طمانچہ سائیس کے مُنہ پر مارا۔ وُہ بے ہوش ہو کر گِرا کیوں کہ سیّارہ نے اپنے ہاتھ پر بے ہوشی کی دوا مل رکھی تھی۔ اُسے گھسیٹ کر ایک موری میں ڈال دیا۔ اُس کے بعد اپنی صُورت اور حُلیہ اس جیسا بنایا اور تین گھنٹے بعد اصطبل میں گیا۔ وہاں دوسرے سائیسوں نے اُس سے پُوچھا۔ ''اِتنی دیر میں واپس آئے ہو۔ خیر ہے؟''

نقلی سائیس نے جواب میں کہا۔ ”ارے یارو، کیا بتاؤں۔ میرے بھائی کی سسرال سے چند عورتیں آ گئی تھیں۔ اُن سے باتیں کرنے میں دیر ہو گئی۔ کُچھ مٹھائی ساتھ لائی تھیں۔ لو تمہارے لیے بھی لایا ہُوں۔“

یہ کہہ کر ایک پوٹلی کھولی اور مٹھائی کی دو دو ڈلیاں سب میں تقسیم کر دیں۔ سبھوں نے یہ ڈلیاں مُنہ میں رکھ لیں تو تھوڑی دیر بعد ہر سائیس کو پیاس لگی۔ اُن میں سے ایک پانی پینے کے اِرادے سے اُٹھا مگر اُٹھتے ہی غش کھا کر گِرا۔ باقی سائیس اُسے اُٹھانے کے لیے لپکے لیکن سبھی غش کھا کر دھڑام دھڑام زمین پر گِرے۔ اب میدان صاف تھا۔ سیّارہ نے گھوڑے پر قبضہ کیا پھر اپنی اصلی صُورت پر آیا اور اُسی گھوڑے پر سوار ہو کر چل دیا۔ ایک جگہ عُمرو نے تجویز کر دی تھی کہ وہاں رُک کر میرا اِنتظار کرنا۔ چنانچہ سیّارہ وہاں پُہنچ کر عُمرو کا اِنتظار کرنے لگا۔

اب عُمرو کی سُنئے۔ جب وُہ شتر خانے کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اُس کی حفاظت کا بڑا زبردست انتظام ہے اور دروازے سے اندر گھسنا محال ہے۔ چاروں

طرف گھُوم پھِر کر دیکھا کہ کِدھر سے راستہ مِلتا ہے۔ آخر دیوار پھاند کر اندر پہنچا۔ وہاں ایک ساربان سو رہا تھا۔ عُمرو نے دوائے بے ہوشی کا فلیتہ اُس کی ناک سے لگایا۔ وُہ بے چارہ بے ہوش ہُوا۔ عُمرو نے اُسے تو ایک تاریک گوشے میں ڈالا اور خُود اُس کی صُورت بنا کر شُتر خانے میں داخل ہُوا۔ دیکھا کہ بہُت سے ساربان بیٹھے حُقّہ پی رہے ہیں اور باتیں کرتے جاتے ہیں۔ عُمرو بھی اُن میں شامل ہو گیا اور جب باری پر حُقّہ اُس کے پاس آیا تو ایک دو کش لینے کے بعد چِلم میں دوائے بے ہوشی مِلا دی۔ اُس کے بعد جِس ساربان نے بھی دم کھینچا، اسی وقت آنکھیں بند کر کے ایک طرف ڈھل گیا۔ تب عُمرو نے دونوں اُونٹوں کی مُہار ہاتھ میں لی اور دروازے کی طرف بڑھا۔ وہاں ہتھیار بند پہرے داروں نے پُوچھا۔

”اے ساربان اِس وقت اُونٹوں کو کہاں لے جاتے ہو؟“

نقلی ساربان نے جواب میں کہا ”تُم کو معلُوم نہیں بادشاہ سلامت نے حکم دیا تھا کہ دو پہر رات گئے دونوں اُونٹ درِ دولت پر آئیں۔ ہم نے اُڑتی سی خبر

سُنی تھی کہ کوئی شخص امیر حمزہ نامی اپنی فوج لے کر فرنگستان میں آیا ہے اور ہمارے بادشاہ سے لڑنا چاہتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ اور وزیر دونوں جائیں گے اور حمزہ کا سر کاٹ کر لائیں گے۔ خبردار، یہ بات کِسی سے نہ کہنا۔ بالکل راز میں رکھنا۔ ورنہ غضب ہو جائے گا۔"

ساربان کی یہ بات سُن کر تمام پہرے دار دنگ رہ گئے اور اُنہوں نے اُونٹوں کو لے جانے کی اِجازت دے دی۔ اب عُمرو عیّار وہاں آیا جہاں سیّارہ رُومی اِنتظار کر رہا تھا۔ دونوں نے اپنی صورتیں سوداگروں کی سی بنائیں اور امیر حمزہ کے لشکر کی جانب روانہ ہوئے۔ صبح سویرے وہاں پہنچ گئے۔ یہ جانور اِتنے خُوب صُورت تھے کہ جِس کی نظر اُن پر پڑی، وہی اُنہیں خرید لینے کے لیے بے چین ہُوا۔ آخر گھوڑا بہرام خاقانِ چین نے اور اُونٹ لِندھور نے مُنہ مانگی قیمت دے کر لے لیے۔ عُمرو نے اس مال کا چوتھائی حِصّہ سیّارہ کو دیا اور باقی اپنی اَنٹی میں دبایا۔

اب اُدھر کی سُنئیے۔ جب سائیسوں اور ساربانوں کو ہوش آیا تو دیکھا کہ گھوڑا

اور اُونٹ غائب ہیں۔ اُنہوں نے غُل مچایا۔ پہرے داروں تک خبر پہنچی تو انہوں نے کہا ایک ساربان آدھی رات کے بعد دونوں اُونٹوں کو لے کر بادشاہ کے محل کی جانب گیا تھا۔ ہوتے ہوتے مرزُوق فرنگی تک خبر پہنچ گئی۔ اس نے جاسوسوں کو حکم دیا کہ جِس شخص نے بھی یہ حرکت کی ہے، اُسے تلاش کر کے ہمارے سامنے پیش کرو۔ بختک نامُراد بھی اُس وقت مرزُوق کے پاس بیٹھا تھا۔ جب اُس نے سارا قِصّہ سُنا تو کھِلکھِلا کر ہنسا اور کہنے لگا۔

"یہ حرکت عُمرو کے سوا اور کِسی کی نہیں ہو سکتی اور اُس کا گرفتار کرنا محال ہے۔"

بختک کا یہ کلمہ سُن کر مرزُوق کو جلال آیا۔ اپنے عیّار برق فرنگی کو طلب کر کے حکم دیا کہ جِس طرح بھی مُمکن ہو، عُمرو عیّار کو گرفتار کر کے لا۔ اِنعام سے مالامال کر دُوں گا۔

برق فرنگی اُسی وقت اپنے شاگردوں سمیت عُمرو کی تلاش میں روانہ ہُوا اور سیدھا امیر حمزہ کے لشکر میں آیا، اُن سے مُلاقات کی اور کہا۔ "میں مرزُوق

فرنگی کا درباری عیّار برق فرنگی ہُوں۔ ہمارے بادشاہ کی شکایت ہے کہ آپ کا عیّار عُمرو ہمارے دو قیمتی اُونٹ اور ایک گھوڑا چُرا لایا ہے۔ براہِ کرم یہ تینوں جانور واپس کیجئے۔ شریفوں کو اُچکّا پن زیب نہیں دیتا۔"

برق کے یہ کلمات سُن کر امیر کو تاؤ آیا۔ اُسی وقت عُمرو کو بُلا کر پُوچھا کہ برق فرنگی کیا کہتا ہے۔ امیر کو جلال میں دیکھ کر عُمرو کو غلط بیانی کی جرأت نہ ہُوئی۔ مُنہ بنا کر یُوں کہا۔

"صاحب، لعنت ہے اِس مردود مرزُوق فرنگی پر۔ گدھا کہیں کا۔۔۔ ایک خچّر اور دو مریل سے اُونٹ پر اُس کا دم نِکل جاتا ہے۔"

"میں پوچھتا ہُوں یہ جانور کہاں ہیں؟ جلد حاضِر کرو۔" امیر حمزہ نے کہا۔

"جانور اب میرے پاس رکھے ہیں جو حاضِر کروں۔" عُمرو نے کہا "گھوڑا بہرام نے اور اُونٹ لِندھور نے خرید لیے تھے۔ اِنہی کے پاس ہُوں گے۔"

تب امیر نے بہرام اور لِندھور کو بُلایا اور اُن سے کہا کہ عُمرو نے یہ شرارت کی

ہے۔ بولو، تُم کیا کہتے ہو؟" اُنہوں نے عرض کیا کہ ہم جانور واپس کیے دیتے ہیں۔ مگر عُمرو سے ہمارا روپیہ واپس دِلوائیے۔" عُمرو یہ سُن کر طیش میں آیا اور کہنے لگا۔

"یارو، کیا مذاق ہے؟ میں روپیہ کہاں سے دُوں؟ وُہ تو میں نے سب قرض میں ادا کر دیا۔"

آخر امیر حمزہ نے بہرام اور لِندھور کو اپنے پاس سے رقم ادا کی اور یہ جانور برق فرنگی کے حوالے کر کے کہنے لگے۔ "اپنے آقا مرزُوق سے کہنا کہ میں بُہت جلد اُس کی خبر لینے کے لیے آرہا ہُوں۔ تیّار رہے۔"

برق فرنگی وہاں سے چلا اور سیدھا مرزُوق کے پاس آیا۔ اُس نے جانور اصطبل میں بھجوائے اور برق سے پوچھنے لگا کہ امیر حمزہ کا لشکر کِس مقام پر ہے۔ اُس نے بتایا کہ وُہ قلعۂ انوریہ پر قبضہ کرنے کا اِرادہ رکھتے ہیں۔ مرزُوق کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی سخت گھبرایا اور اپنے سرداروں سے کہا۔

"تُم میں سے کوئی لشکر لے کر جائے گا اور حمزہ کا راستہ روکے۔ ورنہ وُہ شہر اور قلعہ انوریہ پر قبضہ کر لے گا۔"

یہ سُنتے ہی سریر آہن اور فریر آہن نام کے دو پہلوان اُٹھ کھڑے ہُوئے اور کہنے لگے۔ "جہاں پناہ، اگر اِجازت ہو تو ہم دونوں غُلام اِس خِدمت کے لیے حاضِر ہیں۔"

"اِجازت ہے۔ ہم تمہاری اِس مُستعدی پر خُوش ہُوئے۔" مرزُوق نے کہا۔ پیکر بِن اسلم بھی جانے کے لیے تیّار ہو گیا۔ برق فرنگی نے بھی جانے کا اِرادہ ظاہر کیا اور دعویٰ کیا کہ میں ضرور عُمرو عیّار کو باندھ کر لاؤں گا۔

غرض یہ سب پہلوان کئی لاکھ سپاہی لے کر امیر حمزہ کو روکنے کے لیے روانہ ہُوئے۔ اُن کے آنے کی خبر اپنے جاسوسوں کے ذریعے امیر کو بھی معلُوم ہُوئی۔ اُنہوں نے جھٹ لِندھور کو حکم دیا کہ اپنی فوج لے کر تیز رفتاری سے آگے بڑھو اور قلعہ انوریہ پر قبضہ کر لو۔ لِندھور نے اپنی مدد کے لیے عادی پہلوان اور استفتانوش کو ساتھ لیا اور آندھی کی طرح شہر انوریہ پر آیا لیکن

دُشمن بھی تیز رفتار نِکلا جب لِندھور شہر کے نزدیک پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ مرزُوق کی فوج اِس سے پہلے ہی شہر کے قریب پُہنچی ہے اور ایک وسیع میدان میں اُن کے خیمے لگے ہیں۔ لِندھور نے بھی کُچھ فاصلے پر ڈیرے ڈال دیے اور زور شور سے جنگ کی تیّاری ہونے لگی۔

ساری رات دونوں طرف کے سپاہی اپنے اپنے ہتھیار صاف کرتے رہے۔ صُبح مُنہ اندھیرے سریر آہن اور فریر آہن نے طبلِ جنگ بجوایا۔

لِندھور نے جب یہ آواز سُنی تو اپنی فوج کو بھی نقّارے بجانے کا حکم دیا۔ نقّارچیوں نے حکم کی تعمیل کی اور نقّاروں پر زور شور سے چوب پڑنے لگی۔ آخر دونوں فوجیں میدان میں آئیں اور صفیں بندھنے لگیں۔ تب پیکر بن اسلم پہلوان ایک سیاہ ہاتھی پر سوار ہو، بارہ من کا گُرز فولادی سنبھالے نعرے لگاتا سامنے آیا اور پُکار کر کہا۔

"جِس کو موت کی آرزو ہو، وُہ میرے مُقابلے میں آئے۔ دم بھر میں دوسری دُنیا تک پہنچا دیتا ہُوں۔"

سب سے پہلے استفتانوش مُقابلے پر آیا۔ اسلم اور استفتانوش کی خوف ناک جنگ دو روز تک ہُوئی۔ آخر

استفتانوش زخمی ہو کر واپس آیا۔ اگلے روز عادی پہلوان میدان میں آیا۔ اُسے دیکھ کر پیکر بن اسلم نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ ”ابے او، گوشت پوست کے پہاڑ تُو کون ہے ؟“

عادی نے توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ ”تُم مجھے نہیں پہچانتے؟ افسوس کیا زمانہ آ گیا ہے۔“

یہ سُن کر پیکر کو طیش آیا۔ بارہ من کا گُرز گھُما کر عادی کے سر پر مارا۔ عادی نے اپنے پیٹ پر یہ وار روکا اور اُس کی ضرب سے ایسی ہولناک آواز پیدا ہوئی جیسے آسمان پھٹ پڑا ہو۔ عادی نے زبردست قہقہہ لگایا اور اسلم سے کہا۔

”جا، تُو ہی کیا یاد کرے گا۔ تجھے دو وار اور دِیے۔“

اسلم نے پُوری شدّت سے دو حملے اور کیے۔ لیکن عادی چٹان کی مانند اپنی جگہ

جما رہا اور جب اُس نے دیکھا کہ اسلم بُری طرح ہانپ رہا ہے، تب اُس نے اُچھل کر ایسی لات اُس کے سینے پر جمائی کہ اُس نے بہتّر لڑھکنیاں کھائیں اور اُس کا سر پھٹ گیا۔ اِس سے پہلے کہ وُہ اُٹھ کر عادی کے سامنے آتا، ایک دو لاتیں اور چار پانچ گھونسے اور پڑ گئے۔ اسلم غش کھا کر گِرا اور تڑپنے لگا۔

یہ دیکھ کر سریر آہن اور فریر آہن نے اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دیا۔ اِدھر لِندھور کی فوج بھی تیّار تھی۔ غرض دونوں فوجوں میں وُہ گھمسان کی لڑائی ہُوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ سر، دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ زخمیوں کی چیخ پُکار، ہاتھیوں کی چنگھاڑ اور مرنے والوں کی فریاد نے مِل جُل کر ایسا شور پیدا کر دیا تھا کے جِس کے سامنے قیامت کا شور بھی ماند پڑ جائے۔

لِندھور جدھر کا رُخ کرتا تھا پرے کے پرے صاف کر دیتا۔ کبھی گُرز سے لڑتا، کبھی تلوار چلاتا۔ اُس نے لاشوں پر لاشیں بچھا دیں۔ جو سامنے آیا بچ کر نہ گیا۔ آخر سریر آہن اور فریر آہن بھی لِندھور کے ہاتھوں مارے گئے۔ تب اُن کی فوج نے راہِ فرار اِختیار کی اور لِندھور نے بڑھ کر قلعۂ انوریہ پر قبضہ

کرلِیا۔ اس کے بعد امیر حمزہ کے پاس ایک قاصد فتح کی خُوشخبری لے کر روانہ ہُوا۔

کیشۂ زنگی نے یہ عہد کیا تھا کہ آیندہ کوئی شرارت نہ کرے گا لیکن وُہ اپنے عہد پہ قائم نہ رہ سکا۔ اور شہزادہ قباد کو نیچا دِکھانے کی تدبیر سوچنے لگا۔ آخر ایک دِن اُس نے قباد سے کہا۔

"اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ آپ نہایت شہ زور اور جی دار آدمی ہیں۔ مگر ہم نے سُنا ہے کہ آپ کے والد امیر حمزہ نے کوہ قاف میں دیوؤں اور پریوں سے جنگ کی تھی اور شدّاد جادُوگر کو بھی مارا تھا۔"

"ہاں، ساری دنیا امیر حمزہ کے اِس کارنامے سے واقف ہے۔" قباد نے جواب دیا۔

"کیا آپ بھی جادُوگروں کا مُقابلہ کر سکتے ہیں؟ میرا تو خیال ہے کہ آپ میں یہ

حوصلہ نہ ہو گا۔" کیشہ نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"چُپ گُستاخ۔۔۔زبان بند کر۔" قباد نے گرج کر کہا۔ "ہمارے سامنے جادُو اور جادُوگر کیا حقیقت رکھتے ہیں۔"

"گُستاخی کی معافی چاہتا ہُوں حضُور۔" کیشہ نے سر جھکا کر مکّاری سے کہا۔ "مگر مُنہ سے دعویٰ کر دینا اور بات ہے اور عمل کر کے دِکھا دینا کُچھ اور معنی رکھتا ہے۔"

اب تو شہزادہ قباد کے صبر کی اِنتہا ہو گئی۔ سمجھ گیا کہ کیشہ زنگی کے دِل میں بُرائی ہے اور یہ اِنتقام لینے پر تُلا ہُوا ہے۔ اُس نے دانت پیس کر کہا۔

"زیادہ بَک بَک نہ کر ورنہ زبان کھینچ لُوں گا۔ تُو اگر میرا امتحان لینا چاہتا ہے تو لے لے۔"

"حضُور، میری کیا مجال کہ آپ کا امتحان لوں۔ وُہ تو میں نے یُونہی ایک بات کہی تھی۔"

”نہیں نہیں۔ ہم تیری بات خُوب سمجھتے ہیں۔ اب تجھے بتانا ہو گا کہ تُو چاہتا کیا ہے۔“ قباد نے کہا۔

”بُہت بہتر جنابِ والا۔ عرض کرتا ہُوں۔“ کیشۂ نے کہنا شروع کیا۔ ”یہاں سے ہزار کوس شمال کی جانب ایک بُہت بڑا پہاڑ ہے۔ کہتے ہیں اُس پر ایک طلِسم بنا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وُہ طلِسم کیا ہے اور کِس نے بنایا ہے۔ صرف اِتنا معلُوم ہے کہ جو شخص اِس طلِسم میں گرفتار ہو جاتا ہے پھر صحیح سلامت واپس نہیں آتا۔ آپ وہاں جا کر اُس طلِسم کی خبر لائیے؟“

”اچھّا، ہم تیری یہ خواہش بھی پُوری کریں گے۔“ قباد نے کہا۔ ”لیکن شرط یہ ہے کہ تجھے ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔“

یہ سُنتے ہی کیشۂ زنگی کے اوسان خطا ہوئے۔ قدم چُوم کر بولا۔ ”حضُور، مجھے وہاں نہ لے جائیے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بال بچّے ہیں۔ میں واپس نہ آیا تو اُن کی پرورش کون کرے گا۔ ہاں، شاہ صفاتُرک کو لے جائیے تو کُچھ مُضائقہ نہیں۔“

موتِ اعظم پہلوان کو جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو اُس نے قباد کو روکنے کی کوشش کی مگر وُہ ضِد کا پکّا تھا، ایک نہ سُنی۔ آخر موتِ اعظم خاموش ہو رہا۔ تین دِن بعد ارشی، قرشی، موتِ اعظم، شہزادہ قباد اور شاہ صفا تُرک اِس عجیب طلِسم کی خبر لانے کے لیے شمال کی جانب روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ فوج کا ایک دستہ بھی تھا۔

تین ماہ دِن رات سفر کرنے کے بعد یہ قافلہ اُس عظیم پہاڑ کے دامن میں پہنچا جِس کی چوٹی پر وُہ طلِسم بنا تھا۔ قریب ہی لکڑی کی ایک تختی پر یہ الفاظ لکھے نظر آئے۔

"اے شخص، اس پہاڑ کی چوٹی پر جانے کا اِرادہ چھوڑ دے۔ کیوں کہ یہ ایک خوف ناک جگہ ہے۔ تُو آفت میں گھِر جائے گا اور پھر تجھے اپنے گھر جانے کی مہلت نہ مِلے گی۔ اِس کا نام طلِسم ضحاکیہ ہے۔"

قباد نے تلوار مار کر یہ تختی درمیان میں سے چیر دی۔ تختی کے ٹوٹتے ہی ایک تڑاخا سا ہُوا اور اُس میں آگ لگ گئی۔ قباد حیران رہ گیا۔ اب اِن لوگوں نے

پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا شروع کر دیا۔

اُوپر پُہنچ کر دیکھا کہ ایک تاریک اور گہرا غار ہے۔ جس میں نیچے اُترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ لیکن غار کے اندر دُھواں سا اُٹھ رہا ہے۔ قباد نے فوج کے ایک سپاہی کو غار میں اُترنے کا اشارہ کیا۔ جونہی اُس نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، آسمان پر ایک گونج سی ہُوئی، پھر ایک بُہت بڑا فولادی پنجہ تیزی سے نیچے آیا اور اس سپاہ کو دبا کر دوبارہ آسمان کی طرف اُڑ گیا۔

یہ تماشا دیکھ کر قباد کے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا۔ وُہ بھی خُوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔ آخر ارشی اور قرشی تاجدار نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

”جہاں پناہ، یہاں سے فوراً نِکل چلیے۔ ہم سب کِسی مُصیبت میں گھِر جائیں گے۔“

”ہر گز نہیں۔“ قباد نے کہا۔ ”میں اِس طلِسم کو فتح کر کے رہوں گا۔ ایسے

شُعبدے مجھے ڈرا نہیں سکتے۔"

پھِر اُس نے موتِ اعظم، صفاتُرک اور ارشی و قرشی کو غار کے دہانے سے پرے ہٹ جانے کی ہدایت کی اور اُس کے بعد ایک پتھّر پر بیٹھ کر خُدا کو یاد کیا۔ اس کیفیّت میں آنکھ لگ گئی۔ قباد نے خواب میں ایک نُورانی بزُرگ کو دیکھا کہ وُہ قریب آئے اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگے۔

"اے قباد، ہر گز ہر گز اِس غار میں مت اُترنا۔ البتّہ یہاں سے کُچھ دُور دائیں ہاتھ پر ایک اور غار ہے، اُس میں چِلاّ جا۔ وہاں ایک کُنواں مِلے گا۔ اس کُنویں کے اندر اُتر جانا۔ تہہ میں ایک دروازہ نظر آئے گا۔ جب اُس دروازے کو کھولے گا تو ایک پُر فضا باغ میں اپنے آپ کو پائے گا۔ اُس باغ عبور کر کے آگے چلے جانا۔ خبر دار، کِسی پھُول یا پھل کو توڑنے کی کوشش مت کیجیو۔ ورنہ آفت میں پڑ جائے گا۔ باغ کے آخری کونے پر ایک عالی شان مینار بنا ہُوا ہے۔ اُوپر جانے کے لیے ایک سو سیڑھیاں ہیں۔ ایک ایک سیڑھی چھوڑ کر اُوپر چڑھ جانا۔ خبر دار، اگر کِسی دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھا تو جل کر خاک ہو

جائے گا۔" یہ کہہ کر وُہ بزرگ نظروں سے او جھل ہو گئے۔

شہزادے کی آنکھ کھلی، دوستوں سے خواب کا ذکر کیا اور رُخصت ہو کر غار کی تلاش میں چلا۔ جیسا کہ اُس بزُرگ نے کہا تھا، دائیں ہاتھ پر ایک گہرا غار دِکھائی دیا۔ قباد اُس کے اندر گیا۔ پھِر کنواں نظر آیا۔ اُس کے اندر اُترنے کے لیے دیواروں میں میخیں لگی ہوئی تھیں۔ قباد خُدا کا نام لے کر کنویں میں اُترنے لگا لیکن تہہ کا کہیں پتا نہ تھا۔ چاروں طرف گہری تاریکی تھی اور بدبُو۔ بہت دیر بعد قباد کے پاؤں زمین سے لگے اور ہلکی ہلکی روشنی نظر آنے لگی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دروازے کے قریب کھڑا ہے۔ قباد نے دروازہ کھولا تو حیرت سے دانتوں میں اُنگلی داب لی۔

ایسا خُوش نُما اور پُر فضا باغ اُس نے زِندگی میں پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ اِس باغ کی ہر شے نرالی اور عجیب تھی۔ گھاس اور پودوں کا رنگ چمک دار سُنہری تھا۔ پھُول ایسے کہیں دیکھے نہ سُنے۔ کوئی اُلّو کی شکل کا تھا تو کوئی چمگادڑ کی صُورت کا۔ اِن کے رنگ بھی دُنیا سے نرالے تھے۔ درختوں پر سُرخ، سیاہ اور

پیلے رنگ کے عجیب عجیب پھل لٹک رہے تھے اور اُن پھلوں سے جو رس نِکل رہا تھا وُہ خُون کی طرح سُرخ اور گاڑھا تھا۔ قباد کو بعض پھل اِتنے اچھّے لگے کہ بے اِختیار توڑ کر کھانے کو جی چاہا مگر اُسی وقت بزُرگ کی نصیحت یاد آئی اور بعد اُس نے اپنا اِرادہ بدل دیا۔

غرض باغ کی سیر کرتا ہُوا اور حیران ہوتا ہُوا شہزادہ قباد اُس عالی شان مینار کے نزدیک پہنچا جِس کا گُنبد آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس مینار میں خاص بات یہ تھی کہ جب زور سے ہُوا چلتی تو وُہ کانپنے لگتا اور یُوں محسوس ہوتا جیسے ابھی گِر پڑے گا۔ قباد اِس کے اندر گیا اور نہایت اِحتیاط سے ایک سیڑھی چھوڑ کر اگلی سیڑھی پر قدم دھرتا ہُوا اوپر چڑھنے لگا۔ جُونہی آخری حِصّے میں پہنچا، ایک ہولناک شور برپا ہُوا اور سُرخ آندھی آئی۔ قباد نے دونوں ہاتھوں میں اپنا مُنہ چھپا لِیا۔ آندھی دیر تک چلتی رہی اور ایسی آوازیں آئیں جیسے ہر طرف ہاتھی چنگھاڑتے ہُوں اور شیر گرج رہے ہُوں۔

آخر شہزادے نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ وہاں نہ باغ ہے نہ مینار۔ بلکہ

ایک لق و دق صحرا ہے۔ شہزادہ ایک طرف کو چل پڑا اور نہایت مُصیبت اُٹھاتا ہُوا کئی دِنوں میں ایک نخلستان کے نزدیک پہنچا۔ وہاں ایک چشمہ رواں تھا۔ اس میں سے پانی پیا اور آگے چلنے کی تیّاری کی۔ اِتنے میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز کان میں آئی۔ دیکھا کہ درخت سے ایک خُوب صورت سیاہ گھوڑا بندھا ہے۔ اور محبّت کی نظروں سے قباد کو دیکھ رہا ہے۔

قباد نے اُس کی گردن پر تھپکی دی۔ گھوڑا خُوشی سے اُچھلنے کُودنے لگا۔ تب قباد نے اُسے کھولا اور خُدا کا نام لے کر اُس کی پیٹھ پر سوار ہُوا۔ گھوڑے پر بیٹھنا تھا کہ وُہ سرپٹ دوڑا، اور آناً فاناً کوسوں دُور نِکل گیا۔ شہزادہ اُس کی ایال تھامے پیٹھ سے چمٹا رہا۔ آخر صحرا کی حد ختم ہوئی اور ایک سنگین قلعے کے آثار دِکھائی دیے۔ گھوڑے نے ایک دروازے کے قریب شہزادے کو پٹخا اور جِدھر سے آیا تھا، دوڑتا ہُوا اُسی طرف کو چلا گیا۔

شہزادہ قباد نے قلعے کو دیکھا۔ اُس کی لمبائی چوڑائی کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ جا بجا لوہے کے دروازے لگے ہوئے تھے اور اُونچی بُرجیوں میں سپاہی پہرا دے

رہے تھے۔ ابھی قباد حیران و پریشان کھڑا یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں، کہ اِتنے میں مشرق کی جانب سے گرد کا ایک بادل اُٹھا اور ایک لشکرِ جرّار نمودار ہُوا۔ اُس لشکر کے آگے آگے ایک جوان چہرے پر نقاب ڈالے اور سُرخ جھنڈا ہاتھ میں لیے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا آرہا تھا۔ قباد کے نزدیک پہنچ کر یہ نقاب پوش رُکا۔ گھوڑے سے اُتر کر سلام کیا اور کہنے لگا:

"حضور، میں آپ کا خادم ہُوں۔ میرا نام یاقوت پوش ہے اور یہ چالیس ہزار سوار میرے غُلام ہیں۔"

"مرحبا۔ خُوش آمدید۔" قباد نے جواب دیا۔

اِتنے میں مغرب کی جانب سے گرد اُڑی اور ایک عظیم فوج آتی دِکھائی دی۔ اِس فوج کے آگے بھی ایک نقاب پوش تھا جِس کے ہاتھ میں نیلے رنگ کا جھنڈا

تھا۔ یہ نقاب پوش بھی قباد کے قریب آن کر گھوڑے سے اُترا۔ سلام کِیا اور

ہاتھ باندھ کر بولا:

"جہاں پناہ، میرا نام فیروز پوش ہے اور یہ اسّی ہزار جوان میرے غُلام ہیں۔"

"مرحبا۔ اے فیروز پوش، مرحبا۔" قباد نے کہا۔

اِتنے میں شمال کی طرف سے ایک اور لشکر آیا جو پہلے دونوں لشکروں سے بڑا تھا۔

اِس کی رہنمائی نقاب دار سبز پُوش کر رہا تھا۔ اس نے بھی شہزادے کو سلام کیا۔ پِھر جنوب کی طرف سے ایک اور فوج آئی جِس کے جوانوں کی تعداد اَن گِنت تھی۔ اس کا سردار نقاب دار سفید پوش تھا جِس کے ہاتھ میں سفید پھُریرا لہرا رہا تھا۔ اِن چاروں نے قباد سے کہا۔

"ہم آپ کو یہاں کی بادشاہت مِلنے پر مُبارک باد پیش کرتے ہیں۔ کئی روز سے یہاں کا بادشاہ مر گیا۔ کئی آدمی بادشاہ بنائے گئے مگر کوئی بھی بادشاہت کے لائق نہیں تھا اِس لِیے سب کو ہم نے مار ڈالا ہے۔ اب ایک میدان میں

جشن منایا جائے گا جس میں رسمیں ادا کرنے کے بعد آپ کے سر پر تاج شاہی رکھا جائے گا۔ اگر آپ نے ہماری باتیں مان لیں تو خیر ورنہ اِسی تاجِ شاہی میں سے ایک شعلے نکلے گا اور آپ کو جلا کر کوئلہ کر ڈالے گا۔“

شہزادہ دِل میں حیران ہُوا اور سوچنے لگا کیا جواب دُوں کہ یکایک پُراسرار آواز کان میں یہ کہتی ہُوئی سُنائی دی۔ ”شہزادے، سوچتا کیا ہے، سب شرطیں مان لے۔“

تب قباد نے مُسکراتے ہُوئے اِن چاروں نقاب پوشوں سے کہا۔ ”بادشاہت کو کون چھوڑتا ہے۔ مجھے آپ کی سب شرطیں منظور ہیں۔“

نقاب پوش شہزادے کو ساتھ لے کر قلعے کے اندر گئے اور اُن کے لشکر باہر ہی ٹھہرے۔ قلعے کے اندر ایک دُنیا آباد تھی۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارتیں، خُوب صُورت باغ، صاف سُتھرے بازار، دُکانوں میں ہر قسم کا مال بھرا ہُوا۔ گلی کوچوں میں لوگوں کا ہجوم۔ نقاب پوشوں نے ایک عالی شان محل میں شہزادے کو رکھا۔ خِدمت کے لیے نوکر چاکر مقرر کیے اور ہر طرح

کے آرام کا سامان بہم پہنچایا۔ کہتے ہیں شہزادہ بُہت دِن تک اِس عجیب شہر میں رہا۔ اِس دوران میں چاروں نقاب پوش باری باری شہزادے کی خِدمت میں حاضر رہے۔ آخر ایک دِن قباد نے پُوچھا۔

"وُہ جشن کب ہو گا اور ہمیں بادشاہ کب بنایا جائے گا؟"

نقاب پوشوں نے جواب میں کہا۔ "اے شہزادے اِتنی جلدی کیا ہے؟ سب اِنتظام ہو جائے گا۔ چند روز قلعے کی سیر کیجئے۔ اپنا دِل شاد رکھیے؟"

یہ سُن کر قباد خاموش ہو رہا۔ ایک روز قلعے کے مشرقی حِصّے کی سیر کو نِکلا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سُرخ پتھّروں کا بنا ہُوا ایک عالی شان مکان ہے جِس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر کمخواب اور ریشم کے خُوب صُورت پردے پڑے ہیں۔ شہزادہ بے تکلّف اُس مکان میں چلا گیا۔ ایک بُہت بڑے کمرے میں بیش قیمت قالین بچھا تھا۔ جا بجا خادمائیں ادب سے کھڑی تھیں۔ درمیان میں ایک سُنہری تخت پر شہزادی خُورشید جہاں اپنی سہیلیوں کے جھُرمٹ میں یُوں بیٹھی تھی جیسے ستاروں کے درمیان چاند۔

جب اُنہوں نے قباد کر دیکھا تو اِستقبال کو آئیں اور لے جا کر تخت پر بٹھایا۔ شہزادی کے دائیں بائیں دو بُوڑھی عورتیں بھی بیٹھی تھیں۔ یہ دونوں جادُوگرنیاں تھیں۔ ایک کا نام سمن جادُو اور دُوسری کا یاسمین جادُو تھا۔ شہزادی نے کہا۔

"ہم نے آپ کی بڑی تعریف سُنی تھی۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لِیا۔ جیسا سُنا تھا، اُس سے بڑھ کر پایا۔"

شہزادہ یہ سُن کر خُوش ہُوا اور اُن کا شکریہ ادا کر کے بولا۔ "مجھے یہاں آئے ہوئے اِتنے دِن ہو گئے ہیں اور ابھی معلُوم نہیں کہ کتنا عرصہ اور رہنا پڑے گا۔" پھر اُس نے چاروں نقاب پوشوں کا قِصّہ سُنایا۔ تب شہزادی نے سرد آہ بھری اور کہنے لگی۔

"اے شہزادے، میں بادشاہ فیروز کی بیٹی ہُوں۔ میرا باپ اِس طِلسم کا مالک تھا۔ جب وُہ مر گیا، کوئی بادشاہ نہیں ہُوا۔ اب جو شخص اِس طِلسم میں آتا ہے اُس کے سر پر تاج رکھ کر تخت پر بٹھاتے ہیں۔ چند دِن بعد ضحاک جادُو دیو بن

کر اور ہاتھ میں کمان لے کر آتا ہے اور اُسے مار ڈالتا ہے۔ کِسی زمانے میں یہ مردُود میرے باپ فیروز شاہ کا وزیر تھا۔ اب وُہ خُود تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔"

یہ کہہ کر شہزادی رونے لگی۔ قباد کو اُس پر بڑا ترس آیا۔ تسلّی دیتے ہُوئے بولا۔ "اے شہزادی، غم نہ کر۔ خُدا نے چاہا تو میں ضحاک جادُو کو جہنّم رسید کروں گا۔"

سمن جادُو اور یاسمین جادُو نے جب یہ الفاظ سُنے تو غُصّے سے لال پیلی ہو گئیں۔ دراصل اِن دونوں کو ضحاک نے یہاں بھیج رکھا تھا یا کہ شہزادی کی حفاظت کرتی رہیں۔ قباد نے نیام سے تلوار کھینچی اور اُن دونوں کے سر قلم کیے۔ اُن کا مرنا تھا کہ مکان خُشک پتّے کی طرح کانپنے لگا۔ کنیزیں اور خادمائیں مارے ڈر کے چیخنے چلّانے لگیں۔ پھِر ایک بھیانک گرج سُنائی دی دھویں کا ایک ہیبت ناک بادل آسمان سے آیا اور اُس کے اندر سے ضحاک جادُو کا نے دیو کی شکل میں برآمد ہُوا۔ اُس کے ہاتھ میں بارہ گز چوڑی کمان اور چار گز لمبا تیِر تھا۔

اِس جادوگر نے کمان میں تیر جوڑ کر قباد پر چلایا۔ قباد نے اسی وقت اسمِ اعظم پڑھ کر پھُونک ماری۔ تیر آدھے راستے ہی سے پلٹ گیا اور ضحاک دیو کے حلق پر لگا۔ وُہ اُسی وقت دھم سے زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ ضحاک جادُو کا مرنا تھا کہ قلعے میں ہر طرف خُوشی کی لہر دوڑ گئی۔ چاروں نقاب پوشوں نے آن کر قباد کے قدموں کو بوسہ دیا اور اُس کی تاج پیشی کے اِنتظامات کرنے لگے۔ اگلے روز نہایت دھُوم دھام سے قباد کی تاج پوشی ہُوئی۔ اب قباد کو اپنے ساتھی یاد آئے جنہیں غار کے مُنہ پر چھوڑ آیا تھا۔ اُسی وقت نقاب پوشوں کو روانہ کیا۔ وُہ گئے اور اپنے ساتھ قرشی، ارشی، صفاتُرک اور موتِ اعظم پہلوان کو لے آئے۔ موتِ اعظم نے قباد کے کان میں کہا۔

"حضور، آپ تو یہاں آرام فرما رہے ہیں اور وہاں شہزادی ماہ سیما کا نہ جانے کیا حال ہُوا ہو گا۔"

"اُف ہم سے بڑا قصُور ہُوا۔ اب فوراً وہاں پہنچا چاہتے ہیں۔" قباد نے کہا۔ پھِر شہزادی خُورشید جہاں سے کہا کہ ہم کُچھ عرصے کے لیے ایک مُہم پر جاتے

ہیں۔ خُدا نے چاہا تو جلد واپس آئیں گے۔ جب تک تُم سلطنت کا کاروبار سنبھالو۔ شہزادی نے جانے کی اِجازت دے دی۔ تب قباد سوالاکھ فوج لے کر وہاں سے چلا اور شہر قرشیہ میں آن کر ماہ سیما سے ملا۔ وُہ قباد کو زندہ سلامت دیکھ کر بُہت خُوش ہوئی۔ کیشہ فرنگی بھی خوف سے ہانپتا کانپتا حاضر ہُوا اور قباد کے پیروں پر گِر کر کہنے لگا۔

"جہاں پناہ، آپ واقعی شہ زور ہیں۔ میں سچّے دِل سے آپ کی اِطاعت قبُول کرتا ہُوں؟"

چند دِن بعد قباد نے سُنا کہ امیر حمزہ بھی مُلکِ فرنگستان میں آئے ہیں۔ یہ خبر سُن کر قباد کے خُون نے جوش مارا۔ باپ سے مِلنے کو دِل تڑپنے لگا۔ اُسی وقت اپنے لشکر کو کُوچ کا حکم دیا تاکہ امیر حمزہ کے پاس جلد از جلد پہنچ جائے۔ ایک رات صحرا میں قیام ہُوا۔ صبح ہونے میں ابھی کُچھ دیر تھی کہ نقاب دار پلنگینہ پوش نمودار ہُوا اور قباد کی فوج سے لڑنے لگا۔ آناً فاناً سینکڑوں سپاہی کاٹ کر ڈال دیے۔ قباد کو خبر ہُوئی تو غیظ و غضب میں آن کر کہنے لگا۔

"میں ابھی اِس نقاب دار کی گردن تن سے الگ کرتا ہُوں۔"

وُہ ہتھیار باندھ کر میدان میں آیا اور نقاب دار پلنگینہ پوش کے سامنے پہنچ کر کہا۔ "او بے ادب، خبردار میں آن پہنچا۔"

یہ کہہ کر قباد نے تلوار ماری۔ نقاب دار کے گھوڑے کی گردن کٹ کر دُور جا گِری۔ نقاب دار اُلٹ کر نیچے گِرا۔ قباد بھی اپنے گھوڑے سے زمین پر کُودا، تلوار پھینک دی اور نقاب دار کو کمر سے پکڑ لِیا۔ دونوں میں کُشتی ہونے لگی۔ کہتے ہیں تین دِن اور تین راتیں لگاتار کُشتی ہوتی رہی۔ آخر نقاب دار کے بازو شل ہو گئے۔ وُہ کہنے لگا۔ "اے قباد، میں فقط تیرا امتحان کرتا تھا۔ اب بے شک عَلَم شاہ سے مُقابلہ کرنے کے لائق ہو گیا ہے۔"

تب قباد نے نقاب دار کی آواز سُن کر اُس کی پہچانا اور کہنے لگا۔ "جناب، یہ سب آپ ہی کی مہربانی ہے۔ نہ آپ مجھے طعنہ دیتے اور نہ حضرت آدم کی طرف سے مجھے یہ قُوّت عطا ہوتی۔"

”اچھّا، اب ہم رُخصت ہوتے ہیں۔“ نقاب دار نے کہا۔

”خُدا کے واسطے اپنی صُورت تو دِکھاتے جایئے۔ اور یہ بھی بتایئے کہ آپ کا نام کیا ہے“

نقاب دار نے قباد کو ٹالنے کی بڑی کوشش کی مگر وُہ نہ مانا۔ آخر نقاب دار اسے ایک طرف لے گیا اور اپنے چہرے سے نقاب اُٹھائی۔ قباد نے دیکھا کہ عامِر بن حمزہ کھڑے مُسکرا رہے ہیں۔ قباد روتا ہُوا عامِر کے سینے سے چِمٹ گیا۔ عامِر کی آنکھیں بھی تر ہو گئیں۔ تب عامِر نے قباد سے قسم لی کہ وُہ یہ راز کِسی کو نہیں بتائے گا۔ اس کے بعد عامِر وہاں سے غائب ہو گیا۔

برق فرنگی کی عیّاریاں

قباد کو فی الحال راستے میں چھوڑ کر ہم کُچھ حال برق فرنگی کا بیان کرتے ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ارشیون کو امیر حمزہ نے مرزُوق کا حال معلُوم کرنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ اُس نے واپس آن کر تمام حالات بیان کیے۔ اُدھر مرزُوق فرنگی نے برق کو ہدایت کی تھی کہ امیر حمزہ اور اُن کے تمام پہلوانوں کو کِسی طرح گرفتار کر کے لا۔ برق فرنگی اپنے عیّاروں کو لے کر امیر حمزہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گیا۔

وُہ ایک ہولناک صحرا میں پہنچ کر رُکا۔ اپنے سب عیّاروں کو کُچھ سکھایا پڑھایا اور پھر کہنے لگا۔ ”جو کُچھ میں نے سمجھایا ہے، اس پر عمل کرنا۔ تبھی کامیابی کا

مُنہ دیکھنا نصیب ہو گا۔" یہ کہہ کر اپنے سامان میں سے ایک کُتّے کی کھال نِکالی۔ اُس میں چوراسی گھنڈیا لگی ہوئی ہیں جنہیں برق فرنگی کے سوا کوئی اور نہ کھول سکتا تھا، نہ بند کر سکتا تھا۔ اُس نے کُتّے کی یہ کھال اپنے جسم پر پہنی، عیّاری کے ذریعے اپنی صُورت بھی کُتّے کی سی بنائی اور بھونکتا ہُوا روانہ ہُوا۔ جب امیر حمزہ کے لشکر میں آیا تو سب نے دیکھا اور کہنے لگے۔ کیسا خُوب صُورت کُتّا ہے۔ اِسے پکڑنا چاہیے لیکن کُتّا کسی طرح قابو میں نہ آیا۔ جو اُسے پکڑنے کو جاتا اُسی کی ٹانگ لیتا اور بُری طرح کاٹتا۔ غرض پھِرتے پھِراتے عیّاروں کے دستے میں آیا۔ عُمرو نے بھی اُسے دیکھا اور اپنے شاگردوں ابُو الفتح اور گُل باد سے کہنے لگا۔

"اس کُتّے کو ہمارے پاس لے آؤ۔"

ابُو الفتح اور گُل باد کُتّے کی طرف لپکے اور جان توڑ کوشش کے بعد کُتّے کو پکڑ لینے میں کام یاب ہو گئے۔ عُمرو نے کُتّے کی گردن میں پٹا ڈال کے اپنے پلنگ کے پائے سے باندھ دیا۔ پھر شاگردوں سے کہا۔

”اب تمھیں میرے خیمے پر پہرا دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ کُتّا ہی بُہت ہے۔“

غرض سب غافل ہو گئے۔ آدھی رات ہوئی تو برق نے کھال سے باہر آکر عُمرو کو بے ہوش کیا۔ پُشتارہ باندھ کر پیٹھ پر اُٹھایا اور صحرا میں پہنچ کر یہ پُشتارہ اپنے شاگردوں کے حوالے کیا۔ پھِر صُبح ہونے سے پہلے پہلے واپس آکر دوبارہ کھال پہنی اور جہاں بندھا ہُوا تھا، وہیں آکر بندھ گیا۔

جب سُورج نِکل آیا اور امیر حمزہ کے لشکری بیدار ہوئے تو معلُوم ہُوا کہ عُمرو عیّار غائب ہیں۔ بُہت ڈھونڈا لیکن عُمرو کا کہیں پتا نہ پایا۔ امیر حمزہ کہنے لگے۔

”عُمرو جیسے عیّار کو بھلا کون پکڑ کر لے کر جا سکتا ہے۔ وُہ ضُرور اپنی مرضی سے کہیں گیا ہو گا۔ فِکر کی کیا ضرورت ہے۔ خود ہی آجائے گا۔“ سب لوگ یہ سُن کر مطمئن ہو گئے۔

آدھی رات ہوئی تو پھر برق فرنگی نے کُتّے کی کھال اُتاری اور عادی پہلوان

کے خیمے میں جا گھسا۔ اُسے بھی بے ہوش کیا اور پُشتارہ باندھ کر جب کمر پر لادا تو نانی یاد آئی۔ عادی جیسے پہاڑ کو پیٹھ پر اُٹھانا آسان کام نہ تھا۔ برق فرنگی بڑی مُشکل سے ہانپتا کانپتا اپنے شاگردوں کے پاس پہنچا اور پُشتارہ اُن کے حوالے کیا۔

اگلے روز امیر حمزہ کے لشکر میں پھر غُل مچا کہ عادی پہلوان غائب ہے۔ اب تو سب کو تشویش ہوئی مگر کُچھ پتا نہ چلا۔ قِصّہ مُختصر برقی فرنگی نے چند دِن کے اندر اندر عُمرو اور عادی کے ساتھ ساتھ بہرام، مالک اژدر، مندیل اور مہلیل کو بھی اُڑا لیا، اور شاگردوں کے لیے مرزُوق فرنگی کے پاس روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ جب تک میں امیر حمزہ کو گرفتار کر کے نہ بھیجوں، اِن قیدیوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ مرزُوق نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو قلعۂ آہن حصار کے قید خانے میں رکھا جائے۔ اِس قید خانے کا داروغہ مملوک نام کا ایک ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے حفاظت کا ایسا کڑا اِنتظام کیا کہ قید خانے کے قریب پرندہ بھی پَر نہ مار سکتا تھا۔

عُمرو کو جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے پایا۔ دائیں طرف نگاہ دوڑائی تو دیکھا کہ بہرام، عادی، مالک اژدر، مندی اور مہلیل بھی اِسی حال میں پڑے ہیں۔ بہرام نے کہا۔

"اے عُمرو، یہ ماجرا کیا ہے؟ ہمیں یہاں کون لایا۔" عُمرو نے سر پیٹتے ہوئے جواب دیا۔ "میری عقل خُود چکّر میں ہے کہ کِس بدمعاش نے یہ حرکت کی ہے۔ ہو نہ ہو یہ برق فرنگی کی عیّاری ہے۔ میں نے سُنا تھا کہ مرزُوق نے اُسے ہماری گرفتاری پر مقرر کیا تھا۔ ایسا معلُوم ہوتا ہے کہ اُسی نے یہ دام بچھایا ہے۔ خیر، میرے ہاتھوں بچ کر کہاں جائے گا۔ دیکھتے جاؤ، کیسی گُدّی ناپتا ہُوں۔"

"یار باتیں بناتے جاؤ گے یا کُچھ کام بھی کرو گے۔" عادی نے اپنی توند پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑی بیزاری سے کہا۔ "بھوک کے مارے میرے پیٹ میں جنگلی چُوہے دوڑ رہے ہیں۔"

"خُدا تمہیں غارت کرے۔ آؤ مجھے کھا جاؤ۔" عُمرو نے جھلّا کر کہا۔ اُس کی اِس

جھنجھلاہٹ پر سب بے اِختیار ہنس پڑے۔ آخر عُمرو نے کہا۔

”یہ ہنسنے کا نہیں، رونے کا مقام ہے کہ ایک معمولی عیّار نے چُوہوں کی طرح ہم سب کو پکڑ لیا ہے۔ اب جان بچانے کی کُچھ فکر کرنی چاہیے۔ اچھّا، ایک تدبیر میرے ذہن میں آئی ہے۔ اِس پر عمل کرو تو مُمکن ہے قید سے رہائی مِل جائے۔“

”یار، اب بتا بھی چکو۔۔۔ بکواس کیے جا رہے ہو۔“ عادی نے کہا۔

عُمرو نے گھُور کر عادی کو دیکھا اور کہنے لگا۔ ”میری طرف سے جہنّم میں جاؤ۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے۔ کہ تُم جیسے بے مروّتوں کے لیے اپنا سر کھپاؤں۔“

”ارے نہیں عُمرو بھائی، تُم بھی کِس کی بات پر ناراض ہو رہے ہو۔“ بہرام نے کہا ”عادی تو مذاق کر رہا ہے۔ چلو اب غُصّہ تھُوک دو۔“

سب نے عُمرو کی خُوشامد کی تو وُہ کہنے لگا۔ ”میں مُردہ بن کر لیٹ جاتا ہُوں۔ تُم زور زور سے روؤ اور شور مچاؤ۔ اُمّید ہے رہائی کی کوئی صورت نِکل ہی آئے

گی۔"

یہ کہہ کر اُس نے سانس روک لیا اور یُوں بن گیا جیسے مر گیا ہو۔ پہلوانوں نے رونا پیٹنا شروع کیا۔ مملوک خُود حال دریافت کرنے آیا اور پُوچھا "کیا بات ہے؟ تُم لوگ کیوں روتے ہو؟" اُنہوں نے جواب دیا "ہم کیوں نہ روئیں، ہمارا جان سے زیادہ عزیز دوست عُمرو چل بسا۔"

یہ سُن کر مملوک حیران ہُوا، تالا کھول کر قید خانے میں آیا۔ دیکھا کہ واقعی عُمرو مر چُکا ہے۔ آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں، کانوں کی لویں مُڑ چکی ہیں اور ناک کا بانسا پھِرا ہُوا ہے۔ بدن سے عجیب طرح کی بُو آتی ہے۔ تب مملوک نے بھی کہا، ہاں، یہ مر گیا ہے اِسے جنگل میں پھنکوا دینا چاہیے تاکہ جنگلی جانور ہڑپ کر جائیں۔ اُسی وقت سپاہیوں کو حکم دیا کہ عُمرو کی لاش کو لے جاؤ اور جنگل میں پھینک دو۔ سپاہی لاش کو اُٹھا کر جنگل میں پہنچے۔ وہاں ایک ویران کُنواں نظر آیا۔ اُنہوں نے آپس میں کہا کہ لاش خواہ دوست کی ہو یا دُشمن کی، اس کی مِٹّی خراب نہیں ہونی چاہیے۔

بہتر ہے اسے رسّی سے باندھ کر کنویں میں لٹکا دیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔

مملوک نے عُمرو کے مرنے کی خبر مرزُوق کو بھجوائی۔ اِتّفاق سے بختک نامُراد بھی اُس وقت مرزُوق کے دربار میں حاضر تھا۔ اُس نے عُمرو کے مرنے کی خبر سُنی تو اچھل پڑا اور کہنے لگا۔

"عُمرو نِکل گیا۔ اب وُہ اپنے ساتھیوں کو بھی رہا کرائے گا۔ یقین نہ ہو تو کنویں میں سے اُس کی لاش نِکلوا کر دکھا دو۔ وہاں کُچھ نہ ہو گا۔"

مرزُوق نے فوراً مملوک کو لکھا کہ عُمرو بڑا عیّار ہے۔ اُس نے تمھیں دھوکا دیا ہے۔ جلد اس کی خبر لو۔ مملوک تک یہ پیغام پہنچا تو اس کے ہوش اُڑے۔ فوراً سپاہیوں کو لے کر اسی کنویں پر پہنچا اور حکم دیا کہ رسّی کھینچو۔ سپاہیوں نے رسّی کھینچی تو وزن محسُوس ہُوا۔ کہنے لگا۔

"جناب، رسّی بُہت وزنی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ لاش ابھی تک بندھی ہوئی ہے۔"

لیکن لاش کی بجائے جب دو من وزنی پتھّر رسّی سے بندھا ہُوا بر آمد ہُوا تو مملوک کا خُون خُشک ہو گیا۔ سمجھا کہ عُمرو جُل دے گیا۔

اب عُمرو کا حال سُنیے۔ اُس نے کنویں سے نِکل کر رسّی میں پتھّر باندھا اور اُسے کنویں میں لٹکا دِیا۔ پھِر دوڑتا ہُوا اپنے لشکر کی طرف چلا۔ راستے میں اس مُقام سے گُزرا جہاں برق کے شاگرد چھُپے ہوئے تھے۔ عُمرو ایک جھاڑی میں چھُپ کر اُن کی باتیں سُننے لگا۔ اُن میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

"ہمارا اُستاد برق فرنگی بھی اپنے فن میں طاق ہے۔ عُمرو جیسے عیّار تو اُس کی جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ دیکھ لو چند دِنوں کے اندر اندر عُمرو سمیت امیر حمزہ کے کئی نام ور پہلوان کو پکڑ کر لے آیا۔ اب کوئی دِن جاتا ہے کہ حمزہ بھی ہماری قید میں ہو گا۔ مگر وُہ بُہت ہوشیار آدمی ہے۔ آسانی سے ہتھّے نہ چڑھے گا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک کُتّا وہاں آیا۔ اُس کی پیٹھ پر ایک گٹھڑ اسا بندھا ہُوا تھا۔ تب عُمرو نے پہچانا کہ یہ وُہی کُتّا ہے جسے ابُو الفتح اور گُل باد عراقی

نے باندھا تھا۔

عُمرو نے زنبیل میں ہاتھ ڈال کر کمندِ عیّاری کے کئی حلقے نکالے اور پہلا حلقہ کُتّے پر پھینکا۔ وُہ اُس میں پھنس گیا۔ عُمرو نے برق کے شاگردوں کو بھی ایک ایک کرکے پکڑ لیا۔ پھر پُشتارہ کھول کر دیکھا تو لِندھور کو بے ہوش پایا۔ یہ دیکھ کر عُمرو کو تاؤ آیا۔ زنبیل سے چمڑے کا تازیانہ نِکالا اور بے تحاشا کُتّے کو پیٹنے لگا۔ کُتّا بُری طرح چیخنے چلّانے لگا۔ عُمرو نے کہا۔

"بیٹا، ہم سے بھی عیّاری کرتے ہو۔ مار مار کر کُتّے سے سؤر نہ بنایا تو میرا نام بھی عُمرو نہیں۔"

برق کو جب چار چوٹ کی مار پڑی تو سب عیّاری بھول کر عُمرو کے قدموں میں لوٹنے لگا۔ عُمرو نے لات مار کر کہا۔ "اپنی اصلی صُورت دِکھا۔ ورنہ مارتے مارتے ہڈّیاں الگ اور بوٹیاں الگ کر دُوں گا۔"

مار کے آگے تو بھُوت بھی بھاگتے ہیں۔ برق بے چارہ فوراً اپنی اصلی صُورت

میں آیا۔ عُمرو اِن سب کو زنبیل میں ڈال کر امیر حمزہ کے پاس لے گیا اور سارا واقعہ سُنایا۔ امیر حمزہ نے برق فرنگی سے کہا۔ "جا، ہم نے تجھے آزاد کیا۔"

برق پر امیر کے اِس سلوک کا یہ اثر ہُوا کہ وُہ سچّے دِل سے کلمہ پڑھ کر دینِ اِبراہیمی میں داخل ہُوا لیکن عُمرو نے اُسے قید کر لیا اور امیر حمزہ سے کہا کہ جب تک سب پہلوانوں کو رہانہ کرا لُوں گا، برق کو قید میں رکھوں گا۔

اِس کے بعد عُمرو نے اپنی صُورت برق فرنگی کی سی بنائی۔ قلعہ آہن حِصار میں آیا اور مملوک کوتوال کو ایک رُقعہ دِیا جِس پر مرزُوق فرنگی کی مُہر لگی تھی۔ اس رُقعے کا مضمون یہ تھا۔

"مملوک کوتوال کو حکم دِیا جاتا ہے کہ تمام قیدیوں کی نگرانی کا کام برق فرنگی کے سپُرد کر دے اور اس کے کام میں کِسی قِسم کا دخل نہ دے۔"

مملوک نے نقلی برق کو سلام کیا اور قید خانے کی چابیاں اُس کے حوالے کر دیں۔ نقلی برق نے کہا۔ "میں چاہتا ہُوں کہ اگر یہ قیدی خُداوندِ زرّیں تن پر

ایمان لے آئیں تو مرزُوق سے سفارش کر کے اِن کی جان بخشی کرادُوں اور اگر ایمان نہ لائیں تو اپنے ہاتھ سے قتل کر دُوں گا۔ اب تُم مہربانی کر کے اِن سے پوچھو کہ وُہ زرّیں تن پر ایمان لانے کو تیّار ہیں؟"

مملوک نے یہی بات قیدیوں سے جا کی کہی۔

عادی پہلوان نے نفرت سے زمین پر تھُوک کر کہا۔

"ہم تمہارے خُداوندِ زرّیں تن پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں۔ جاؤ اُس سے کہہ دو کہ ہم اُس پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔"

مملوک نے واپس آن کر نقلی برق کو بتایا کہ تمام قیدی پہلوان خُداوندِ زرّیں تن پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ یہ سُن کر نقلی برق طیش میں آیا اور کہنے لگا۔ "اچھّا، تو یہ بات ہے۔ معلُوم ہوتا ہے ان کی قضا آ گئی ہے۔ میں ایک بار خُود اُن سے پوچھ لُوں، پھر اِنکار کیا تو اِن کے قتل کا بندوبست کروں گا۔"

یہ کہہ کر وُہ قید خانے میں گیا اور چُپکے سے کہا۔ "یارو، گھبراؤ مت۔ میں عُمرو

ہُوں۔ اب تمھیں آزاد کرتا ہُوں۔" یہ کہہ کر سب کی زنجیریں کھول دیں۔ زنجیروں کا کھلنا تھا کہ سب پہلوان بھُوکے شیروں کی طرح مملوک کے سپاہیوں پر جا پڑے اور اُنہی کے ہتھیار چھین کر قتلِ عام شروع کر دیا۔ عادی پہلوان نے مملوک کی گردن ناپی اور اِس زور سے دبایا کہ بدنصیب کی سب ہڈّیاں پسلیاں ایک ہو گئیں۔

چند لمحوں بعد قلعے پر اِن پہلوانوں کا قبضہ ہو چُکا تھا۔ چند ایک سپاہی بھاگ جانے میں کام یاب ہو گئے اور اُنہوں نے مرزُوق کے دربار میں پُہنچ کر دُہائی دی۔ اِس اِثنا میں مرزُوق کو برق فرنگی کے دینِ اِبراہیمی میں داخل ہو جانے کا حال بھی معلُوم ہو چُکا تھا۔ جب یہ تازہ خبر اُس نے سُنی تو رنج کے مارے بُرا حال ہُوا۔ غُصّے سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ اسی وقت اپنے لشکر کو لے کر شہر سے نِکلا۔ نوشیرواں اور بختک نامُراد بھی ساتھ تھے۔۔۔ آندھی طُوفان کی طرح راستہ طے کرتا ہُوا اُس عِلاقے میں آیا جہاں امیر حمزہ کا لشکر رُکا ہُوا تھا۔ ایک منزل دُور ہٹ کر مرزُوق نے بھی فوج کو روکنے کا حکم دیا۔ پھر رات کے

وقت طبلِ جنگ بجوایا۔ امیر حمزہ کے جاسوسوں نے مرزُوق کے آنے کی خبر دی۔ اُنہوں نے بھی اپنے نقّارچیوں کو حکم دیا کہ طبلِ جنگ پر چوٹ پڑے۔

اگلے دِن سورج نکلنے کے فوراً بعد دونوں فوجیں ایک دُوسرے کے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ یکایک شمال کی جانب سے گرد اُٹھی اور اِس میں سے نقاب دار فیروزہ پوش چالیس ہزار سواروں کے ساتھ آیا۔ اس کے دائیں بائیں ارشی تاجدار اور قریشی تاجدار پالکیوں میں سوار آ رہے تھے۔ نوشیرواں نے مرزُوق سے پُوچھا۔

"یہ لشکر کِس کا ہے اور پالکیوں پر سوار یہ نوجوان کون ہیں؟"

"حضُور، یہ میرے فرزند ارشی اور قریشی ہیں۔ اِن کے آگے نقاب دار فیروزہ پوش ہے۔ یہ شاید میری مدد کو آئے ہیں۔" نوشیرواں یہ سُن کر خُوش ہُوا اور بختک بغلیں بجانے لگا۔

اِتنے میں ایک اور عظیم لشکر نمودار ہُوا۔ اُس کے آگے آگے صفا تُرک،

موتِ اعظم پہلوان، فیروز زہر خوار اور کیشۂ فرنگی سفید گھوڑوں پر سوار بڑی شان و شوکت سے چلے آ رہے تھے۔ اِس لشکر نے بھی میدان کے ایک حِصّے پر قبضہ جمالیا۔ مرزُوق نے اپنے بیٹوں کو پیغام بھیجا کہ تمہارے آنے سے میں خُوش ہُوا۔ اب خدائے زرّیں تن کی مدد شامل ہو تو ہم دُشمن پر فتح یاب ہُوں گے۔ اِس پیغام کے جواب میں ارشی اور قرشی نے اپنے باپ کو یہ کہلوایا کہ ہم دینِ ابراہیمی میں داخل ہو چُکے ہیں، اِس لیے خُداوندِ زرّیں تن پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہم سے مدد کی کوئی اُمّید نہ رکھنا بلکہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ امیر حمزہ کی اِطاعت قبول کرو۔

مرزُوق کو جب یہ جواب مِلا تو سنّاٹے میں آ گیا۔ پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ پھِر نوشیر واں سے کہا "میرے بیٹوں نے بغاوت کر دی ہے۔ وُہ اپنے مذہب سے پھِر گئے ہیں۔ اب ہمیں اپنی کامیابی مشکوک نظر آتی ہے۔" یہ سُن کر نوشیر واں بدحواس ہُوا اور بختک اُچھل اُچھل کر کہنے لگا۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ امیر حمزہ جادُوگر ہے۔ باپ سے بیٹے کو جُدا کر دیتا

ہے۔اِس پر قابو پانا مُشکل ہے۔"

نوشیرواں اپنا غُصّہ ضبط نہ کر سکا۔ایک چانٹا بختک کے گال پر اِس زور کا مارا کہ اُس کا مُنہ چرخی کی طرح گھُوم گیا۔پھر بادشاہ نے کہا۔

"اے بے حیا، یہ سب کیا دھرا تیرا ہے۔کاش، میں تیرے فریب میں نہ آتا اور حمزہ سے صُلح صفائی رکھتا تو یہ بُرا دِن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

بختک نے نادم ہو کر گردن جھکالی اور کُچھ جواب نہ دے سکا۔

جب مرزُوق کی فوج نے صفیں جمالیں تب آفرین پہلوان مست ہاتھی کی طرح جھُومتا ہُوا مرزُوق کی جانب سے نِکلا اور میدان میں آکر پُکارا۔

"اے حمزہ، اگر جُرأت رکھتے ہو تو مجھ سے مُقابلہ کرو۔"

آفرین پہلوان کی اِس للکار کے جواب میں نقاب دار فیروزہ پوش میدان میں آیا اور ہنس کر کہنے لگا۔

”اے آفرین، تیری جُرأت پر آفرین ہے کہ حمزہ کو اپنے مُقابلے میں طلب کر کے موت کو دعوت دیتا ہے۔ تُو ابھی حمزہ سے لڑنے کے قابل نہیں ہے۔ بہتر ہے مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے۔“

آفرین پہلوان نے نفرت کی نگاہ سے فیروزہ پوش کو دیکھا اور کہا۔ ”میں نہیں جانتا کہ تُو کون ہے، تاہم ابھی تیرا قِصّہ پاک کیے دیتا ہُوں۔ لے سنبھل۔“ یہ کہہ کر اُس نے اپنی تلوار گھمائی اور پُوری قُوّت سے فیروزہ پوش پر حملہ کیا۔ یہ حملہ اِتنا زور دار تھا کہ فیروزہ پوش کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کبھی نہ بچ سکتا، مگر اُس نے کمال دلیری سے یہ وار روکا اور ہنس کر بولا۔

”آفرین۔۔۔۔۔۔ آفرین۔۔۔۔۔ معلُوم ہو گیا کہ واقعی پہلوان ہے اور لڑنا جانتا ہے۔ میں نے تجھ کو دو وار اور دیے۔ اپنا حوصلہ نِکال لے۔“

آفرین پہلوان نے اب تلوار پھینک کر نیزہ سنبھالا۔ دُور سے دوڑتا ہُوا آیا اور نیزے سے حملہ کیا۔ فیروزہ پوش نے ڈھال آگے بڑھائی لیکن آفرین کا نیزہ ڈھال چیرتا ہُوا فیروزہ پوش کے کندھے میں لگا۔ اسی وقت خُون کا فوّارہ اُبل

پڑا اور فیروزہ پوش کی زرہ خُون میں لت پت ہو گی۔ یہ دیکھ کر مرزُوق کی فوج نے خُوشی سے نعرے لگائے اور اُسی وقت امیر حمزہ کے ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھ گئے۔

ایک لمحے کے لیے فیروزہ پوش کُچھ بدحواس سا نظر آیا۔ پھر اُس نے آفرین نے کہا۔ "اگرچہ تُو نے مجھ کو زخمی کر دیا ہے لیکن میں تجھے زبان دے چُکا ہُوں۔ تیرا ایک وار ابھی باقی ہے وُہ بھی کر لے۔"

اِس مرتبہ آفرین نے فولادی گُرز سنبھالا جِس کا وزن دس من سے کم نہ تھا۔ فیروزہ پوش نے دِل میں خُدا کو یاد کیا اور ٹوٹی پھُوٹی ہُوئی ڈھال اپنے بچاؤ کے لیے آگے بڑھائی۔ آفرین کا گُرز جب دھماکے سے ڈھال پر پڑا تو آگ کا ایک شعلہ اُٹھا اور آسمان تک گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ فیروزہ پوش کا بچنا اب مُحال ہے۔ مگر چند لمحوں بعد جب گرد صاف ہُوئی تو دیکھا کہ فیروزہ پوش اپنی جگہ چٹان کی طرح جما ہُوا ہے اور آفرین کے گُرز نے اُس کا بال بھی بیکا نہیں کیا۔

اب تو آفرین پر ہیبت طاری ہوئی۔ بھاگنے کا اِرادہ کرنے لگا کر فیروزہ پوش نے اُس کا اِرادہ بھانپ لیا اور آگے بڑھ کر اِس زور کا گھُونسا اُس کی چھاتی میں مارا کہ اُس کے حلق سے خُون اُبل پڑا اور وُہ چکرا کر ِگرا۔ اِس سے پہلے کہ وُہ اُٹھ سکے، فیروزہ پوش نے اُس کے بال پکڑ لیے اور دُوسرا گھُونسا اُس کی ٹھوڑی پر مارا۔ آفرین پہلوان کا جبڑا لہُولُہان ہُوا اور کئی دانت ٹوٹ کر باہر آن ِگرے۔ پھر تو فیروزہ پوش نے گھُونسے مار مار کر اُس کا پلپیتھن نِکال دیا۔ حتیٰ کہ آفرین پہلوان بے ہوش ہو گیا۔ تب فیروزہ پوش نے اُسے باندھ کر اپنے عیّار کے حوالے کیا۔

اب مرزُوق نے دُوسرے پہلوان زرّیں بال کو میدان میں جانے کا حکم دیا۔ اُس نے بھی آتے ہی زور کا نعرہ لگایا اور کہا۔ ”کوئی ہے جو میرے مُقابلے پر آئے اور موت کا مزا چکھّے۔“

موتِ اعظم پہلوان لپک کر آگے آیا اور گرج کر بولا۔ ”تو نے موت کو پُکارا ہے۔ میں آگیا ہُوں۔“

زرّیں بال نے جب موتِ اعظم کو اپنے رُوبرو دیکھا تو خوف سے کانپنے لگا۔ وُہ پہلے بھی کئی بار موتِ اعظم پہلوان سے بُری طرح پِٹ چُکا تھا۔ فوراً قدموں میں جاگرا اور کہنے لگا۔

"اِس گُستاخی کی معافی چاہتا ہُوں۔ مرزُوق نے مجھے میدان میں نکلنے کا حکم دیا تھا۔ اُس کی بات نہ مانتا تب بھی مارا جاتا۔ آپ سے لڑتا ہُوں تب بھی مرتا ہُوں۔ لہٰذا یہی بہتر ہے اور اِطاعت قبول کروں۔" موتِ اعظم نے اُسے باندھ کر اپنے عیّار کے حوالے کیا۔

مرزُوق نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو واپسی کا طبل بجوایا۔ وُہ سمجھ چُکا تھا کہ امیر حمزہ سے لڑنا بے کار ہو گا اور ہار کے سوا کُچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اُدھر رات کے وقت امیر حمزہ نے اپنی بارگاہ میں عُمرو عیّار کو طلب کیا اور کہا۔ "ذرا اِس نقاب دار فیروزہ پوش کی خبر تو لاؤ کہ کون ہے اور کِس لیے یہاں آیا ہے۔"

عُمرو بھیس بدل کر فیروزہ پوش کے لشکر میں پہنچا اور موقع پا کر اُس کے خیمے میں جا گھسا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ارشی اور قریشی تاجدار بھی موجُود ہیں۔ ایک طرف موتِ اعظم پہلوان اور کیشہ پہلوان بھی بیٹھے ہیں۔ آپس میں گفتگو ہو رہی ہے۔ اِتنے میں غُل مچا کہ آفرین پہلوان آزاد ہو گیا ہے۔ یکایک خیمے کا دروازہ کھلا اور آفرین پہلوان ہاتھ میں خُون آلود خنجر لیے نمودار ہُوا اور سیدھا فیروزہ پوش کی طرف بڑھا اور خنجر سے حملہ کیا۔ فیروزہ پوش نے وار بچا کر ایک لات آفرین کے پیٹ میں ماری۔ وُہ تکلیف سے پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر فیروزہ پوش نے سرہانے سے اپنی تلوار اُٹھائی اور چشمِ زدن میں آفرین کو دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر حکم دیا کے دیکھو دُشمن کا کوئی جاسوس بھیس بدل کر نہ آیا ہو۔ عُمرو یہ سُنتے ہی وہاں سے کھسک گیا اور بھاگم بھاگ اپنے لشکر میں آیا۔ امیر حمزہ نے پوچھا۔ ”کیا خبر لائے۔“ عُمرو نے کانپتے ہوئے کہا۔

”بھائی حمزہ، وُہ نہ جانے کون ہے۔ ابھی میرے سامنے آفرین پہلوان کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دیا۔ میں وہاں سے ڈر کر بھاگا۔ کیا پتا مجھے بھی جاسوس سمجھ

کر پکڑ لیتا۔"

یہ بات سُن کر امیر حمزہ حیران ہوئے اور سوچنے لگے کہ آخر یہ نقاب پوش ہے کون؟ خیر پتا چل ہی جائے گا۔

اُدھر مرزُوق فرنگی کو معلُوم ہُوا کہ آفرین پہلوان مارا گیا تو غم و غُصّہ سے اُس کا بُرا حال ہُوا۔ کئی روز تک طبلِ جنگ نہ بجوایا۔ آخر نقاب دار فیروزہ پوش سے ضبط نہ ہو سکا۔ میدان میں آکر طبل بجوایا اور للکار کر کہا۔

"اے مرزُوق، جسے موت کی تمنّا ہو اُسے میرے مُقابلے میں بھیج۔"

مرزُوق نے دائیں بائیں دیکھا اور مہلال بِن خُوں خوار کو اِشارہ کِیا کہ میدان میں نِکل۔ وُہ سر سے پیر تک فولاد کی بنی ہوئی زرہ میں چھُپ کر سامنے آیا اور تلوار سے حملہ کیا۔ نقاب دار نے نہایت آسانی سے اُس کا وار روکا اور جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر تلوار ماری۔ مہلال نے اپنی ڈھال آگے کر دی لیکن نقاب دار کی تلوار ڈھال کو کاٹتی ہُوئی مہلال کی کھوپڑی میں اُتر گئی۔ ایک

ہولناک چیخ مار کر وُہ گھوڑے سے گِرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

مہلال کا مرنا تھا کہ مرزُوق کا جی چھُوٹ گیا۔ اِدھر پھِر نقاب دار نے للکار کر کہا۔ ”اے مرزُوق، سوچتا کیا ہے۔ جلد کِسی اور کو مرنے کے لیے روانہ کر۔“

مرزُوق نے اِس مرتبہ فرنگی مہیار پہلوان کو بھیجا۔ لیکن نقاب دار نے پلک جھپکتے ہی اُسے بھی کاٹ کر ڈال دیا۔ یہ دیکھتے ہی مرزُوق نے واپسی کا طبل بجوایا اور میدان چھوڑ گیا۔ اب نقاب دار فیروزہ پوش نے امیر حمزہ کے لشکر کی جانب رُخ کیا اور بلند آواز سے کہنے لگا۔

”اے امیر، آج سے آپ کی باری ہے۔ کِسی بہادُر کو میدان میں بھیجیے تا کہ مجھ سے لڑے۔“

فیروزہ پوش کی یہ للکار سُن کر امیر حمزہ حیران ہوئے اور کہنے لگے۔ ”ہم تو سمجھے تھے کہ نقاب دار ہماری مدد کو آیا ہے، مگر اب تو وُہ ہم ہی سے لڑنے کو تیار ہے۔“

"فکر نہ کرو حمزہ بھائی، میں اِس کے مُقابلے کو جاتا ہُوں۔" عادی پہلوان نے سینہ تان کر کہا اور جھُومتا ہُوا میدان میں آیا۔ نقاب دار فیروزہ پوش نے عادی کو دیکھتے ہی قہقہہ لگایا اور کہا۔

"ارے تُم تو آدمی نکلے۔ میں پہلے یہ سمجھا تھا کہ کِسی پہاڑی ٹیلے میں جان پڑ گئی ہے۔"

اِس مذاق پر عادی پہلوان نے خوب پیچ و تاب کھایا۔ پھر دانت پیس کر بولا۔ "کر لو مذاق۔ ابھی آٹے دال کا بھاؤ معلُوم ہو جائے گا۔"

"آہاہاہا۔۔۔۔" نقاب دار نے ایک اور قہقہہ لگایا۔ "معلُوم ہوتا ہے عادی پہلوان نسل کا بنیا ہے۔ تبھی آٹے دال کا ذِکر کرتا ہے؟"

اب تو عادی کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا۔ شیر کی طرح دھاڑ کر نقاب دار کی طرف لپکا اور گُرز سے حملہ کیا۔ نقاب دار نے نہایت آسانی سے حملہ روکا۔ اور دوسرے ہی لمحے گُرز چھین کر دُور پھینک دیا۔ عادی ہکّا بکّا رہ گیا۔ کُچھ اور

نہ سوجھا تو جنگلی بھینسے کی طرح خُوں خوں کرتا ہُوا دوڑا اور نقاب دار کے سینے پر اِس زور کی ٹکّر ماری کہ اُس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو خُون تھوکنے لگتا مگر نقاب دار ہنستا ہی رہا۔ یہ دیکھ کے عادی کے حواس گُم ہوئے۔ دِل میں کہا، بُرے پھنسے۔ یہ آدمی نہیں جِن ہے۔ اِتنے میں نقاب دار نے ایک نعرہ مار کے عادی پہلوان کی کمر تھام لی اور آناً فاناً سر سے اُونچا اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ عادی کے حلق سے چیخیں نِکل گئیں۔ نقاب دار نے اُسے باندھ کر اپنے آدمیوں کے حوالے کیا۔ جہاں عادی گِرا تھا، وہاں خاصا گہرا گڑھا بن گیا تھا۔

نقاب دار فیروزہ پوش نے عادی پہلوان کو جِس طرح گرفتار کیا، اُسے دیکھ کر امیر حمزہ نہایت حیران ہوئے۔ اِتنے میں فیروزہ پوش نے پھر للکار کر کہا۔ ”اے امیر، اب دوسرے کو بھیجیے۔“

اِس مرتبہ خاقانِ چین بہرام سامنے آیا۔ فیروزہ پوش نے بہرام کی صُورت پر غیظ و غضب دیکھا تو ہنس کر کہا۔ ”اے بہرام، تجھ سے لڑنے کی بڑی آرزو تھی۔ کوئی شک نہیں کہ تُو نامی گرامی پہلوان ہے۔“

"اے نقاب دار، زیادہ باتیں نہ بنا اور جو حملہ لکھتا ہے، وُہ کر۔" بہرام نے کہا۔ تب نقاب دار نے تلوار سے حملہ کیا۔ بہرام نے اپنی تلوار پر یہ وار روکا۔ پھِر اِس شدّت سے جوابی حملہ کیا کہ ایک لمحے کے لیے نقاب دار بھی گھبرا گیا لیکن اُس نے سنبھل کر ایسے وار کیے کہ بہرام آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ یکایک نقاب دار نے نعرہ مار کر تلوار پھینک دی اور دوڑ کر بہرام سے لپٹ گیا۔ بہرام نے بھی تلوار پھینکی اور دونوں میں کُشتی ہونے لگی۔ یکایک نقاب دار نے ایسا اڑنگا دیا کہ بہرام چاروں شانے چِت ہو گیا۔ تب نقاب دار نے اُسے باندھا اور اپنے آدمیوں کے حوالے کیا۔

کہتے ہیں دو ماہ کی نقاب دار لگاتار میدان میں آکر للکارتا رہا اور امیر حمزہ اپنے سرداروں اور پہلوانوں کو اُس کے مُقابلے میں بھیجتے رہے۔ اِس مدّت میں نقاب دار نے حمزہ کے تین سو اُنچاس پہلوان گرفتار کیے۔ حتیٰ کہ سلطان سعد کو بھی باندھ لِیا۔ اب حمزہ نے خُود میدان میں نکلنے کا اِرادہ کیا لیکن نقاب دار نے بُلند آواز سے کہا۔

"اے حمزہ، خُود آنے کا اِرادہ نہ کیجیے۔ ذرا پیل تن، عَلَم شاہ کو بھیجیے جو اپنے آپ کو رُستم کہتا ہے۔ ذرا میں بھی اُس کا کَس بَل دیکھوں۔"

عَلَم شاہ حمزہ کے قریب ہی کھڑا تھا۔ نقاب دار کا یہ طعنہ سُن کر اُس کا خُون کھول اُٹھا۔ امیر حمزہ سے اِجازت لے کر میدان میں آیا اور آتے ہی گُرز سے حملہ کیا۔ نقاب دار نے وار روکا اور کہا۔

"اے رُستم، آفرین ہے۔ واقعی تُو جان رکھتا ہے مگر میرا حملہ بھی روک۔"

یہ کہہ کر نقاب دار نے اپنا گُرز گھُمایا۔ اُس کا شور اِتنا تھا کہ عَلَم شاہ کو کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔ پھر اُس نے عَلَم شاہ کے سر پر گُرز دے مارا۔ عَلَم شاہ نے ڈھال آگے کر کے اپنا سر بچایا ورنہ ہزار ٹکڑے ہو جاتے۔ گُرز کا ڈھال پر پڑنا تھا کہ ایک دھماکہ ہُوا۔ گرد کا بادل اُٹھا اور عَلَم شاہ اُس بادل میں چھُپ گیا۔ نقاب دار نے اپنے عیّاروں کو بُلایا۔ اُنھوں نے پانی کے چھینٹے دِیے۔ جب گرد بیٹھ گئی تو دیکھا کہ رُستم کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی ہے اور خُود رُستم کا بدن پسینے میں تر ہے۔ نقاب دار نے قہقہہ لگایا اور کہا۔

”اُٹھو میاں رُستم، کُچھ ہمّت کرو۔ حوصلہ نہ ہارو۔“

یہ کہہ کر نقاب دار نے ایک گھُونسا عَلَم شاہ کی گردن پر مارا۔ عَلَم شاہ نے نقاب دار کی ٹانگ پکڑی اور دھکا دے کر پرے پھینک دیا۔ تین پہر تک دونوں میں کُشتی ہُوئی، نہ وُہ جیتا نہ یہ ہارا۔ آخر عَلَم شاہ نے نقاب دار کے گھُونسا مارا۔ اُس کی گردن پھِر گئی۔ نقاب دار نے جھنجھلا کر طمانچہ مارا۔ عَلَم شاہ کی ناک سے خُون جاری ہُوا۔ وُہ بدحواس ہو کر پیچھے ہٹا مگر نقاب دار نے طمانچے مار مار کر عَلَم شاہ کو بے حال کر دیا۔ امیر حمزہ نے دِل میں کہا یہ نئی جنگ ہے۔ اب دونوں یُونہی ہلاک ہو جائیں گے غرض خُود میدان میں آئے۔ دونوں کو الگ الگ کیا۔ پھر فیروزہ پوش کی نقاب کو جھٹکا دیا۔ نقاب کے سب بند ٹُوٹ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شہزادہ قباد شہریار سامنے کھڑا ہے۔ امیر حمزہ نے جھپٹ کر اُسے گلے سے لگایا۔ پھِر عَلَم شاہ سے کہا کہ اپنے بھائی کو سینے سے لگاؤ۔ عَلَم شاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ دونوں بچھڑے ہوئے بھائی گلے مِلے۔

شہزادہ قباد نے تمام پہلوانوں کو رہا کیا۔ امیر حمزہ نے قباد کی آمد پر شان دار

جشن منانے کا حکم دیا۔ عَلَم شاہ کو دِل میں بڑا صدمہ تھا کہ ایک طمانچے کے بدلے میں قباد نے اِتنے طمانچے مارے۔

اِدھر تو یہ جشن برپا تھا اور اُدھر مرزُوق فرنگی نئے ساز و سامان سے لیس ہو کر دوبارہ نمودار ہُوا اور طبلِ جنگ بجوایا۔ جاسوسوں نے امیر حمزہ کو خبر پہنچائی۔ اُنہوں نے اپنے لشکر کو تیّاری کا حکم دیا۔ صُبح کو دونوں فوجیں میدان میں آمنے سامنے آن کھڑی ہوئیں۔ سب سے پہلے مرزُوق کے لشکر سے پیکر بن اسلم پہلوان بر آمد ہُوا اور اپنے مُقابلے کے لیے آدمی طلب کیا۔ ابھی امیر حمزہ کے لشکر سے پیکر کے مُقابلے میں کوئی پہلوان نہ نِکلا تھا کہ بیابان میں گرد اُڑی اور نقاب دار پلنگینہ پوش آتا دِکھائی دیا۔ وُہ سیدھا پیکر کے سامنے آیا اور کہنے لگا۔

”جو ضرب رکھتا ہے، لا۔۔۔۔ میں مُقابلے کے لیے آیا ہُوں۔“

پیکر نے اُوپر سے نیچے تک پلنگینہ پوش کو دیکھا اور کہا۔ ”پہلے اپنا نام پتا تو بتا تا کہ بے نشاں نہ مارا جائے۔“

"اے پہلوان، لڑنے والے نام پتہ نہیں پُوچھا کرتے۔" پلنگینہ پوش نے جواب دیا۔

یہ سُن کر پیکر نے تاؤ کھایا اور نیزے سے حملہ کیا۔ پلنگینہ پوش نے تلوار مار کر پیکر کا نیزہ دو ٹکڑے کر دیا۔ پھِر چیتے کی طرح اپنے گھوڑے سے اُچھل کر آیا۔ پیکر کی گردن پکڑ کر یُوں اُٹھا لیا جیسے بِلّی چُوہے کو مُنہ میں دبا لیتی ہے اور اِس سے پہلے کہ پیکر بن اسلم اپنے بچاؤ کا کوئی سامان کر سکے، پلنگینہ پوش نے اُسے باندھا، اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور چشمِ زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گیا

مرزُوق کی فوج میں دہشت پھیل گئی۔ امیر حمزہ بھی پلنگینہ پوش کی قوّت اور پھُرتی دیکھ کر تعجّب کرنے لگے۔ اُنھوں نے عُمرو سے کہا۔ "اے خواجہ، جلد جاؤ اور اِس نقاب دار پُراسرار کی خبر لاؤ کہ کون ہے؟"

عُمرو عیّار ہَوا کی رفتار سے نقاب دار کے تعاقب میں روانہ ہُوا۔ تھوڑی دیر بعد پیچھے سے کُچھ آوازیں سُنیں۔ مُڑ کر دیکھا تو کئی ہزار گھُڑسواروں کو آتے پایا۔ یہ سب مرزُوق کے سپاہی تھے اور پیکر بن اسلم کو بچانے کے لیے آ رہے تھے۔

عُمرو اُنہیں دیکھ کر ڈرا اور ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ اُن سواروں نے نقاب دار کو گھیر لیا اور کہنے لگے:

"اگر تُو نے ہمارے سپہ سالار پیکر بن اسلم کو رہا نہ کیا تو یہیں تیری بوٹی بوٹی کر ڈالیں گے۔"

پلنگینہ پوش نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "جس میں ہمّت ہو وُہ آگے آئے اور مجھ سے اپنے سپہ سالار کو چھین لے۔"

چند سپاہی جرأت کر کے تلواریں چمکاتے ہوئے آگے بڑھے اور پلنگینہ پوش پر حملہ کیا مگر اُس نے چند لمحوں میں سب کو گاجر مُولی کی طرح کاٹ دیا۔

پھِر للکار کر بولا۔ "خیر اِسی میں ہے کہ واپس چلے جاؤ ورنہ ابھی پیکر کو قتل کر دُوں گا۔"

نقاب دار کے تیور دیکھ کر سپاہیوں کو کُچھ اور حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جدِھر سے آئے تھے اُدھر واپس چلے گئے۔ پلنگینہ پوش اپنے لشکر میں

داخل ہُوا۔ عُمرو بھی کُچھ فاصلہ دے کر پیچھے لگا رہا۔ نقاب دار جب لشکر میں داخل ہُوا تو اُس کے ساتھیوں نے پیکر کو بندھے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"حضور، آپ تو شکار کھیلنے کے ارادے سے گئے تھے۔ یہ شخص کہاں ہاتھ لگا؟"

نقاب دار نے ہنس کر جواب دیا۔ "جنگل میں سبھی قسم کے جانور ہوتے ہیں۔ اُنہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اِسے لوہے کے پنجرے میں بند کر دو۔" پیکر کو لوہے کے پنجرے میں بند کر کے پلنگینہ پوش اپنے خیمے میں چلا گیا۔

عُمرو نے دِل میں کہا ذرا اِس کے لشکر کی سیر کرنی چاہیے۔ شاید کوئی مُفید بات معلُوم ہو۔ گھُومتے گھُومتے ایسے حِصّے میں آیا جہاں ایک کبابی بیٹھا کباب بھُون رہا تھا۔ عُمرو نے ایک مسافر کا بھیس بدلا اور کبابی کے پاس آن کر بولا۔

"کیوں میاں کبابی، یہ نقاب دار پلنگینہ پوش کون ہے؟" کبابی نے عُمرو کو اُوپر سے نیچے تک دیکھا اور کہنے لگا۔ "معلُوم ہوتا ہے تُو کوئی جاسوس ہے جو ایسی

بات پُوچھتا ہے۔ سودا لینا ہے تو لے ورنہ اپنا راستہ ناپ۔ “

”یار، ناراض کیوں ہوتے ہو۔ میں نے ہو نہی ایک بات کہی تھی۔ لاؤ کُچھ کباب کھلاؤ۔ “

کبابی نے ایک طشتری میں دو کباب رکھ کر عُمرو لو دِیے۔ وُہ کھانے میں مشغول ہُوا۔ کبابی نے قریب

بیٹھے ہوئے اپنے لڑکے کے کان میں کچھ کہا۔ لڑکا گیا اور چند سپاہیوں کو بُلا لایا۔ انہوں نے عُمرو کو گرفتار کیا اور سیدھے پلنگینہ پوش کے پاس لے گئے۔ اُس نے عُمرو کو غور سے دیکھا اور کہا:

”تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ سچ سچ بتا۔ “

”جناب! میں مسافر و ہوں۔ روز گار کی تلاش میں اِدھر آ نکلا۔ آپ کے سپاہیوں نے مجھے بے خطا پکڑا ہے۔ “

”جھُوٹ مت بول۔ “ نقاب دار نے گرج کر کہا۔

"تو ضرور جاسوس ہے۔ ہم تجھے اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ ہماری تلوار لاؤ۔ فوراً ایک خادم نے تلوار لا کر دی۔ نقاب دار نے تلوار نیام سے کھینچی اور ہاتھ میں تول کر بولا:

"اب بھی سچ سچ بتا دے کہ تو کون ہے؟ ورنہ زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

یہ سُنتے ہی عُمرو تھر تھر کانپا اور پھر دھڑام سے زمین پر ِگر کر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ نقاب دار نے اُٹھ کر دیکھا تو مر چُکا تھا۔ نبضیں رُکی ہوئیں، چہرے پر مردنی، کانوں کی لویں مُڑی ہوئیں، ناک کا بانسا ٹیڑھا، آنکھوں کی چمک غائب۔ سب نے باری باری دیکھا اور یہی کہا کہ دہشت سے مر گیا ہے۔ تب نقاب دار نے تلوار بلند کرتے ہوئے کہا۔

"خواہ، یہ مرے یا جیے، جب میں اِس کو قتل کرنے کا اِرادہ کر چُکا ہُوں تو ہر حال میں اپنا اِرادہ پورا کروں گا۔"

یہ سُن کر مُردے نے جھَٹ کلمہ پڑھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سب تماشائی ڈر کر

بھاگے لیکن پلنگینہ پُوش وہیں کھڑا رہا۔ اُس نے کہا۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ مُسافر کے بھیس میں خواجہ عُمرو ہیں۔"

یہ جملہ سُن کر عُمرو نے پلنگینہ پوش کے قدم چُومے اور کہا۔ "اے بہادُر، خُدا کے واسطے اپنی صُورت مجھے دِکھا دے۔"

نقاب دار نے غم زدہ لہجے میں جواب دیا۔ "اے خواجہ، میری صُورت دیکھ کر کیا کرو گے۔ میں وُہ شخص ہُوں جِس کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔"

عُمرو نے بُہت اِصرار کیا۔ آخر نقاب دار مجبُور ہُوا اور کہنے لگا۔ "اے خواجہ، وعدہ کرو کہ میرے پاس سے نہ جاؤ گے اور میرا راز ظاہر نہ کرو گے؟"

عُمرو نے وعدہ کِیا۔ تب پلنگینہ پوش اُسے ایک گوشے میں لے گیا۔ نقاب کے بند کھولے اور اپنی صُورت دِکھائی۔ عُمرو نے دیکھا کہ عامِر بِن حمزہ ہے۔ نہایت حیران اور پریشان ہُوا۔ کُچھ پُوچھنا چاہتا تھا کہ عامِر نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اِشارہ کیا۔ پھر کہا۔

”اے خواجہ، یہ قُدرت کے بھید ہیں۔ اِن میں دخل نہ دو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ جب وقت آئے گا تمہیں سب کُچھ معلُوم ہو جائے گا۔“

عُمرو چند دِن نقاب دار کے پاس رہا۔ آخر جی اُکتایا اور بھاگنے کا اِرادہ کیا مگر موقع نہ پایا۔ ایک رات لشکر میں غُل مچا کہ پیکر بن اسلم پنجرے سے آزاد ہو گیا ہے۔ پلنگینہ پُوش اُسے پھِرنے کو روانہ ہُوا۔ عُمرو کو بھی فرار ہونے کا موقع مِلا۔ جھَٹ وہاں سے نِکلا اور امیر حمزہ کے لشکر میں پہنچ کر سارا حال کہہ دیا۔ عامِر کا ذکر سُن کر امیر حمزہ کی محبّت نے جوش مارا۔ اسی وقت چند سرداروں کو لے کر عامِر سے مِلنے کے لیے روانہ ہوئے۔ اُس نے جب امیر حمزہ کے آنے کی خبر سُنی تو اِستقبال کو آیا۔ امیر نے سینے سے لگایا اور کہا۔

”بیٹا، تیرے غم میں ہم اِس حال کو پہنچے۔“

”ابّا جان، آپ نے بھی تو پلٹ کر خبر نہ لی۔“

قِصّہ مختصر امیر حمزہ نے عامِر کو ساتھ لِیا اور اپنی بارگاہ میں آئے، بیٹے پر سے

بُہت سازَر و جواہر نثار کیا۔ پھر شہزادہ قباد سے مُلاقات کرائی۔ قباد نے کھڑے ہو کر تعظیم دی اور اپنی مسند پر بٹھایا۔ غرض عامِر کے آنے کی سب نے خُوشی منائی۔

طلِسمِ نادرِ فرنگ

پیکر بن اسلم پہلوان پنجرے سے نِکل کر بھاگنے میں کام یاب ہُوا تو سیدھا مرزُوق فرنگی کے پاس آیا اور ساری داستان کہہ سُنائی۔ مرزُوق سخت بد حواس ہُوا۔ سر پِیٹ کر بولا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا اب کیا تدبیر کروں کہ حمزہ سے نجات مِلے۔“

بختک نامُراد قریب ہی بیٹھا تھا۔ جھَٹ بول اُٹھا۔ ”حضُور، فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنی سلطنت حمزہ کے حوالے کیجئے اور خود چین کی بنسی بجایئے۔“

یہ سُن کر مرزُوق کی کھوپڑی بھُنّا گئی۔ بے اِختیار ایک ہاتھ اِس زور کا بختک

کے گال پر مارا کہ وُہ لڑھکتا ہُوا دُور جا گرا اور خُون تھُوکنے لگا۔ مرزُوق نے پہرے داروں کو حکم دیا کہ اِس بدبخت کو میری نظروں سے دُور کرو ورنہ اِس کا خُون پِی جاؤں گا۔

نوشیرواں کو جب یہ معلُوم ہُوا تو اُسے بھی طیش آیا۔ ہنٹر نِکال کر بختک پر پِل پڑا اور مار مار کر بھُتنا بنا دیا۔ آخر بختک نے قدموں پر گر کر معافی مانگی اور خواجہ بزُرجمہر نے سفارش کی۔ تب کہیں جان بخشی ہُوئی۔

پیکر بن اسلم پہلوان نے سینہ تان کر کہا۔ "حضُور طبلِ جنگ بجھوائیے۔ وُہ تو اِتّفاق تھا کہ پلنگینہ پوش نے مجھے باندھ لیا اور امیر حمزہ کے لشکر میں ایک پہلوان بھی میرا مُقابلہ نہیں کر سکتا۔"

غرض اُس نے ایسی ڈینگیں ماریں کہ مرزُوق خوش ہو گیا۔ طبلِ جنگ بجھوایا اور پیکر بن اسلم دو سو ہتھیار بدن پر سجا کر بڑی دھوم سے میدان میں نِکلا۔ اُس نے غُرور سے چاروں طرف دیکھا اور للکار کر کہا۔

”اے حمزہ، جرأت ہے تو میرے مُقابلے میں آؤ۔ کہاں چھُپے بیٹھے ہو؟“

یہ للکار سُنی تو امیر حمزہ سے ضبط نہ ہُوا۔ اُسی وقت اشقر دیوزاد پر سوار ہوئے اور میدان میں آئے۔ پیکر بن اسلم نے اِس سے پہلے امیر حمزہ کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ اُس نے اپنے سامنے جب ایک درمیانے قد اور معمولی جِسم کے آدمی کو دیکھا تو چِلاّ اُٹھا۔

”اے شخص، تُو کون ہے جو یہاں چِلاّ آیا؟ کیا تُو زِندگی سے تنگ آ چُکا ہے۔ میں نے حمزہ کو بُلایا تھا۔ اُس کی جگہ تجھے کِس بے وقوف نے بھیج دیا ہے۔“

”اے پیکر، زیادہ باتیں نہ بنا، ہوش میں آ۔ میرا ہی نام حمزہ ہے۔“

اب تو پیکر کا خُون خُشک ہُوا۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور دہشت سے خُشک تِنکے کی طرح کانپنے لگا۔

”اے پیکر، پتھّر کا بُت کیوں بن گیا میں مُنتظر ہُوں۔ حملہ کر۔“ امیر حمزہ نے کہا۔

یہ سُن کر پیکر نے جھُرجھُری لی اور تلوار تول کر حمزہ پر ماری۔ اُنہوں نے ڈھال پر وار روکا اور جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ مار کر اپنی تلوار نیام سے کھینچی۔ پیکر لرز کر پیچھے ہٹا مگر قضا سر پر کھیل رہی تھی۔ امیر حمزہ کا وار اُس نے بھی ڈھال پر روکنا چاہا مگر تلوار ڈھال کو خربُوزے کی طرح کاٹتی ہوئی اس کے سر پر پڑی۔ سر کو بھی دو حِصّوں میں تقسیم کیا۔ پھر سِینے پر آئی اور پسلی میں سے ہو کر نِکل گئی۔ پیکر پہلوان کی لاش دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گری۔

امیر حمزہ کے سپاہیوں نے زِندہ باد کے نعروں سے زمین کا کلیجا ہلا دِیا۔ مرزُوق نے جب پیکر کو مرتے دیکھا تو اُس کے پیروں تلے کی زمین نِکل گئی۔ اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دیا۔ اِدھر بھی تلواریں کھینچ گئیں۔ امیر حمزہ کے پہلوان اور سپاہی شیروں اور چیتوں کی طرح مرزُوق کی فوج پر جا پڑے اور ایسی تلوار چلی کہ خُدا کی پناہ۔۔ چشمِ زدن میں لاشوں کے انبار لگ گئے۔ کہتے ہیں تین پہر خُون ریزی رہی۔ آخر مرزُوق کی فوج پسپا ہونے لگی۔ بختک تو، مُنتظر تھا ہی، اُس نے جلدی سے واپسی کا طبل بجوادیا۔

مرزُوق اور نوشیرواں اپنی بچی کھُچی فوج کو لے کر خُداوندِ زرّیں تن کے ایک باغ میں آئے۔ اُس باغ میں ایک سنگین قلعہ بھی بنا ہُوا تھا۔ اِن دونوں نے اِس قلعے میں پناہ لی۔

اگلے روز صُبح امیر حمزہ کو معلُوم ہُوا کہ مرزُوق اور نوشیرواں قلعہ بند ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے چند سرداروں کو قلعہ فتح کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔ فوج کے ساتھ عَلَم شاہ اور سلطان سعد بھی گئے۔ اُنہوں نے جو دُور سے قلعہ دیکھا تو ہوش جاتے رہے۔ دِل میں کہنے لگے۔ یہ قلعہ کِس صُورت سے فتح ہو سکتا ہے؟ اُس کی فصیل بے حد مضبُوط تھی اور اِتنی اُونچی کہ آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ فصیل کی بے شمار بُرجیوں میں مرزُوق اور نوشیرواں کے ہزاروں تیر انداز مورچے سنبھالے بیٹھے تھے۔ غرض اُن کو نہایت تشویش تھی۔ اِدھر امیر حمزہ کو بھی ایک ایک لمحے کی خبر مِل رہی تھیں حتیٰ کہ جاسوسوں نے یہ خبر بھی دی کہ عَلَم شاہ اور سلطان سعد مایوس ہو گئے ہیں کہ قلعہ فتح نہ ہو گا۔

امیر حمزہ نے اُسی وقت عُمرو عیّار کو روانہ کیا اور پیغام دیا کہ جب تک ہم نہ

آئیں، اُس وقت تک ہر گز قلعے پر حملہ نہ کیا جائے۔ جب عُمرو نے عَلَم شاہ اور سعد کو امیر حمزہ کا یہ پیغام دیا تو اُن کو یہ گمان ہُوا کہ امیر حمزہ نے اُنہیں بُزدلی کا طعنہ دیا ہے۔ عَلَم شاہ نے عُمرو سے کہا۔

"اچھّا چچا جان، آپ ایک رات تو ہمارے پاس ٹھہریے۔ صُبح واپس چلے جایئے گا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہُوں، کہ کل ضُرور اِس قلعے پر قبضہ کر لوں گا۔"

عُمرو نے ہنس کر کہا۔ "پیارے بھتیجے، جہالت اور چیز ہے، تدبیر اور شے ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بغیر تدبیر کیے یہ قلعہ فتح نہ ہو گا۔ اگر کُچھ روپیہ خرچ کرو تو میں تدبیر کروں۔"

عَلَم شاہ نے اشرفیوں کی تھیلیوں کے مُنہ کھول دِیے عُمرو نے یہ سب مال زنبیل میں ڈالا اور بِستر پر لیٹ کر کہنے لگا۔ "پیارے بھتیجے، رات بُہت آ گئی ہے، اب سو جاؤ۔ تدبیر کل بتائیں گے۔"

یہ سُن کر عَلَم شاہ کو غُصّہ آیا کہ اشرفیاں آج اینٹھ لیں اور تدبیر کل بتائیں گے۔

اُس نے عُمرو کا لحاف کھینچ لیا اور کہنے لگا۔ "چچا جان، آپ کو اِسی وقت تدبیر بتانی ہو گی۔ ورنہ ساری رات سونے نہ دُوں گا۔"

"اچھّا بابا اچھّا۔" عُمرو نے مُنہ بنا کر کہا۔ "کل صُبح اپنے کاریگروں سے کہو کہ لوہے کا ایک بُہت بڑا صندُوق بنائیں۔ اُس صندُوق میں اُوپر کی طرف ایسے سُوراخ رکھیں جِن میں سے تِیر پھینکے جا سکیں۔ پھِر اِس کے نیچے پہیّے لگا کر رات کے اندھیرے میں قلعے کی فصیل تک لے جاؤ اور تِیروں میں آتش گیر مادہ لگا کر پھینک دو۔ اِس تدبیر سے پہرا دینے والے سپاہی بھاگ اُٹھیں گے اور مُمکن ہے آگ لگنے کے ڈر سے وُہ اِتنے بدحواس ہو جائیں کہ مُقابلہ بھی نہ کر سکیں۔"

عُمرو کی یہ تدبیر عَلَم شاہ اور سعد کو بے حد پسند آئی۔ اگلے روز لوہے کے ایک بُہت بڑے صندُوق پر مستریوں اور لوہاروں نے کام شروع کر دیا۔ تین دِن کے اندر اندر یہ صندُوق تیّار ہو گیا اور اُس کے اندر ایک ہزار تیر انداز بھر دیے گئے۔ پھر سپاہی رات کی تاریکی میں اُسے فصیل دھکیلتے لے گئے اور

فصیل کے بالکُل برابر کھڑا کر دیا۔ صُبح سویرے مرزُوق نے یہ عجیب و غریب صندُوق دیکھا تو سر پیٹ لیا اور کہنے لگا۔ خُداوند کی قسم، یہ تدبیر کِسی عالی دماغ شخص کی ہے۔ اب ہمارا قلعہ محفوظ نہیں رہا۔ کیا تدبیر کروں؟ سوچتے سوچتے ایک جادُوگر کا خیال آیا جو وہیں خُداوندِ زرّیں تن کے باغ میں رہتا تھا۔ مرزُوق نے اُسے طلب کیا اور سارا قِصّہ سُنایا۔ جادُوگر ہنسا اور کہنے لگا۔

"اے بادشاہ، غم نہ کر۔ میرے پاس ایسا جادُو ہے کہ امیر حمزہ تو ایک طرف، کوئی پرندہ بھی قلعے میں پر نہیں مار سکتا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پیکر بن اسلم کی بیٹی سے میری شادی کر دے۔"

مرزُوق نے جادُوگر کی یہ خواہش پُوری کر دی، تب اُس نے جادُو کے بُہت سے پُتلے بنائے اور ہر پُتلے کے ہاتھ میں ایک مشعل روشن کر کے تھما دی۔ اِن مشعلوں کی یہ تاثیر تھی کہ جہاں تک روشنی جاتی تھی، وہاں تک کوئی شخص قلعے کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ بلکہ بے ہوش ہو کر گِر پڑتا۔ جونہی یہ مشعلیں روشن ہوئیں اور اُن کی روشنی لوہے کے صندُوق تک پہنچی، اُس میں

چھُپے ہوئے تمام تیر انداز بے ہوش ہو گئے۔ عُمرو، عَلَم اور سعد کو پتا بھی نہ چلا کہ مرزُوق کے جادُوگر نے کیا کارروائی کی ہے۔ جب تیر انداز بے ہوش ہو گئے تو فصیل پر سے مرزُوق کے سپاہی اُترے اور اُن سب کو باندھ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ اِتنے میں برق فرنگی دوڑا ہُوا آیا۔ اُس نے یہ مشعلیں جلتے دیکھیں تو فوراً سمجھ گیا کہ یہ جادُوگر کی حرکت ہے۔ برق سیدھا عُمرو کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

”اے اُستاد، غضب ہو گیا۔ مرزُوق کے جادُوگر نے قلعے کی فصیل پر جادُو کے پُتلے بٹھائے ہیں اور اُن کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں تھما دی ہیں، جِس شخص پر اِن مشعلوں کی روشنی پڑتی ہے، بے ہوش ہو کر گِر پڑتا ہے۔ میں ابھی ابھی قلعے کی جانب گیا تھا۔ تب یہ معاملہ سمجھ میں آیا۔ ہمارے سب تیر انداز اُن کے قبضے میں جا چُکے ہیں۔ جب تک سُورج طلوع نہیں ہوتا، اِس جادُو کا اثر برابر جاری رہے گا۔“

عُمرو نے دانت پیس کر کہا۔ ”میں نے بڑے بڑے جادُوگروں کو خُدا کے فضل

سے جہنّم رسید کیا ہے، مرزُوق کے اِس جادُوگر کی تو ہستی ہی کیا ہے۔"

ابھی یہ گُفتگُو ہو رہی تھی کہ امیر حمزہ کی آمد کا شور بلند ہُوا۔ عُمرو، عَلَم شاہ اور سعد دوڑ کر امیر کی خدمت میں پہنچے۔ اُنہوں نے سب حال پُوچھا عُمرو نے جواب میں جادُوگر کے پُتلوں اور جادُو کی مشعلوں کا ذِکر کر کے کہا۔

"اے حمزہ، اب ایک ہی تدبیر ہے اور وُہ یہ کہ آپ اِسم اعظم کا حِصار قلعے کے گِرد کر دیں۔ میں جا کر عیّاری کرتا ہُوں۔"

اگلے روز جب سورج نِکلا تو یہ مشعلیں خود بخود بُجھ گئیں۔ تب امیر حمزہ قلعے کے نزدیک گئے، اور گھُوم پھِر کر اسمِ اعظم کا حِصار اِس کے گِرد کر دیا۔ اِس کے بعد عُمرو عیّار قلعے کی پُشت پر آیا۔ خُداوندِ زرّیں تن کے باغ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ عُمرو نے اپنی صُورت سو برس کے بُڈّھے کی سی بنائی جِس کی کمر جھک کر کمان بن گئی تھی۔ ڈاڑھی، مونچھوں، بھوؤں اور پلکوں کے بال تک سفید۔ لباس تار تار اور بوسیدہ۔ گھُٹنوں، کہنیوں اور سینے پر زخم جِن سے خُون رِستا ہُوا نظر آتا تھا۔ لاٹھی ٹیکتا اور کھانستا ہُوا دروازے پر آیا۔ دربانوں

کے پاس پہنچ کر رُکا اور ہانپتے ہوئے کہنے لگا۔

”پانی۔۔۔ پانی۔۔۔۔۔۔ میرا دم نِکلا جاتا ہے، خداوند کے واسطے مجھے پانی پلاؤ۔۔۔۔۔“

ایک دربان بھاگا ہُوا گیا اور آبخورے میں پانی لا کر بُڈّھے کو پِلایا۔ جب پانی پی کر اُس کے اوسان بحال ہوئے، تو دربانوں نے پُوچھا۔

”اے بُڈّھے، تجھ پر کیا آفت آئی کہ اِس عُمر میں اِتنی دُور کا سفر کر کے یہاں آیا؟“

”بیٹو، کیا بتاؤں؟“ عُمرو نے روتے ہوئے کہا۔ مجھے گھر چھوڑے ہوئے آٹھ مہینے ہو گئے ہیں۔ میں نے منّت مانی تھی کہ اگر میری شادی ہو گئی تو پیدل چل کر خُداوندِ زرّیں تن کے باغ میں جاؤں گا اور رات بھر اُس کی عبادت کروں گا۔

دربانوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اِشاروں میں کہا

بُڈّھا پاگل ہے۔ بھلا اِس عُمر میں بھی کِسی کو شادی کی سُوجھتی ہے۔ پھر کمال دیکھیے کہ بڑے میں نے شادی کی منّت بھی مانی ہے اور اب اُسے پُورا کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ دربانوں کے سردار نے کہا۔

"بڑے میاں، ہم مُبارک باد دیتے ہیں کہ آپ کی منّت پُوری ہُوئی۔ رات کے وقت کِسی کو باغ میں اندر رہنے کی اِجازت تو نہیں ہے لیکن آپ چُوں کہ بُہت دُور سے آئے ہیں، اِس لیے ہم اِجازت دے دیتے ہیں۔ صِرف ایک رات کے لیے آپ باغ میں ٹھہر کر خُداوند کی پُوجا کر سکتے ہیں۔"

"ارے بیٹو، جیتے رہو۔ آباد رہو۔" عُمرو نے پوپلے مُنہ سے دُعائیں دیتے ہوئے کہا۔ پھر اپنی گُدڑی ٹٹول کر اُس میں سے لال رنگ کا ایک سیب نِکالا۔ اِسے کاٹ کر چار حِصّوں میں تقسیم کیا دربانوں کو دیتے ہُوئے کہا۔

"میرے پاس تمہارے لیے اِس سے زیادہ اور کوئی سوغات نہیں۔ میرے بیٹو، اِسے قبول کر لو۔"

دربانوں نے سیب کی قاشیں لے لیں اور اُنھیں کھانے کے لیے جُونہی مُنہ میں رکھا، بے ہوش ہو کر گِرے۔ عُمرو نے اُن سب کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک گڑھے میں ڈال دیا اور خُود باغ کے اندر داخل ہو گیا۔ دیکھا کہ نہایت بے نظیر اور سرسبز باغ ہے۔ ہزاروں قسم کے پھل دار درخت اور پودے وہاں لگے ہیں۔ دُودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ پرندے چہچہاتے ہُوئے باغ کی فضا میں پرواز کر رہے ہیں۔

اِتنے میں شام ہو گئی۔ دیکھا کہ تمام باغ میں آپ ہی آپ روشنی ہُوئی۔ اب عُمرو ایک عالی شان بارہ دری میں آیا۔ اُس کے اندر سونے چاندی کے ہزاروں چھوٹے بڑے بُت سجے ہوئے تھے۔ درمیان میں رکھا ہُوا سونے کا بُت سب سے بڑا تھا اور اُس کے اُوپر اَن گِنت یاقُوت لعل مِرجان اور موتی جڑے تھے۔ اِسی بڑے بُت کا نام خُداوندِ زرّیں تن تھا اور باقی بُت اُس کے غُلام تھے۔ عُمرو نے سُنا تھا کہ خُداوند کا بُت باتیں بھی کرتا ہے اور جو لوگ اُس کے لیے ہزاروں من کھانے پینے کی چیزیں لاتے ہیں، وُہ بھی چَٹ کر جاتا ہے۔

عمرو نے جونہی خُداوندِ زرّیں تن کے بُت میں سے قیمتی پتھر اُکھاڑنے کی کوشش کی، بُت کا دایاں ہاتھ بُلند ہُوا اور اِس زنّاٹے کا طمانچہ عُمرو کے گال پر پڑا کہ وُہ پھِرکی کی طرح گھُوم گیا۔ پھِر بُت کے حلق سے ایک بھیانک آواز نِکلی۔

"اے عُمرو، تُو بے شک عیّاروں کا شہنشاہ ہے۔ لیکن میں بھی خُداوند کہلاتا ہُوں۔ تیری کیا مجال جو مجھے تنگ کرے۔ خیر اِسی میں ہے کہ اِس باغ سے نِکل جا ورنہ کُتّے کی موت ماروں گا۔"

اپنا نام سُن کر عُمرو بھونچکارہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "اے خُداوند، میں تو تجھ پر ایمان لانے کے لیے آیا تھا۔ مگر برا ہو لالچ کا کہ پتھّر اُکھاڑنے لگا۔ آیندہ ایسی گُستاخی نہ کروں گا۔"

"ہم تیری عیّاری خوب جانتے ہیں۔" بُت میں سے آواز آئی۔ "اب بھی موقع ہے یہاں سے نِکل جا ورنہ پچھتائے گا۔"

"میں نہیں جاتا۔ تجھ سے جو ہو سکتا ہے کر لے۔" عُمرو نے کہا۔

اِتنا کہا تھا کہ بُت کا قد اُونچا ہونا شروع ہُوا۔ اُس کی سُرخ آنکھیں انگاروں کی مانند دہکنے لگیں۔ پھِر وُہ پیروں پر چلتا ہُوا عُمرو کو پکڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ اُس کے بازُو اِتنے لمبے تھے کہ عُمرو کہیں بچ کر نہ جا سکتا تھا۔ اُس نے جھٹ زنبیل میں سے سبز کمبل نِکالا اور اوڑھ کر بُت کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ باغ سے نِکل کر امیر حمزہ کے پاس آیا اور ساری داستان سُنائی۔ امیر حمزہ نے لِندھُور، عَلَم شاہ، سعد اور بہرام کو ساتھ لِیا اور خُداوندِ زرّیں تن کے باغ میں آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بُت اپنی جگہ موجُود ہے۔ جُونہی امیر حمزہ اُس کے قریب گئے، بُت نے چِلاّ کر کہا۔

"اے حمزہ، وہیں رُک جا۔ میرے نزدیک نہ آئیو ورنہ جلا کر خاک کر دُوں گا۔" امیر حمزہ نے اسمِ اعظم پڑھ کر گُرز سنبھالا اور آگے بڑھ کر بُت پر وار کیا۔ ایک ہولناک دھماکہ ہُوا۔ بُت کے سر سے نارنجی رنگ کے شُعلے نکلنے لگے۔ پھِر وُہ ہزار ٹکڑے ہو کر بِکھر گیا۔ ناگہاں ایک آواز آسمان کی جانب سے

آئی۔

”اے حمزہ، سامری نامے میں درج تھا کہ تُو ایک دِن یہاں آئے گا۔ میں تیرے ہی خوف سے یہاں طِلسم بنا کر پڑا ہُوا تھا۔ اب جاتا ہُوں۔ سُن لے کہ میرا اصل نام بقیا دیو ہے اور میں کبھی کوہ قاف کی اُٹھ سلطنتوں کا بادشاہ تھا۔ میرا عہد یہ ہے کہ تجھے نہ چھوڑوں گا اور جب موقع مِلے گا ہلاک کر دُوں گا۔“

خُداوندِ زرّیں تن کے بُت کا پاش پاش ہونا تھا کہ دوسرے سب بُت اوندھے مُنہ گِر گئے۔ عُمرو اُنہیں اُٹھا اُٹھا کر زنبیل میں ڈالنے لگا۔ اُدھر مرزُوق کے جادُوگر کے بنائے ہوئے پُتلے ٹُوٹے اور اُن کی شمعیں بھی اچانک بُجھ گئیں۔ اُسی وقت امیر حمزہ کے لشکر نے قباد کی کمان میں قلعے پر زور دار حملہ کیا، مرزُوق اور نوشیرواں جان بچا کر بھاگے۔ نوشیرواں اور بختک تو نِکل گئے مگر مرزُوق بھاگتے ہوئے جب خُداوند کے باغ میں آیا تو عَلَم شاہ نے اُسے دیکھ لِیا۔ اُسی وقت گردن دبوچی اور گلا گھونٹ کر مار دیا۔

جب مرزُوق کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی، تو اُس کی فوج نے ہتھیار ڈال

دیے۔ قلعے پر امیر حمزہ کا قبضہ ہو گیا۔ تب اُنہوں نے مسرُوق دِیوانے کو طلب کیا اور کہا۔ ”مرزُوق کا تخت ہم نے تجھے عطا کیا۔ خُدا کی مخلوق پر کبھی ظلم نہ کرنا اور ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لینا۔“ مسرُوق نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی کرے گا۔

سلطنت فرنگ کو خاک میں مِلا کر امیر حمزہ اب بالکُل فُرصت میں تھے۔ قباد اور عَلَم شاہ کی صُلح ہو گئی تھی اور عامِر بن حمزہ بھی مِل گئے تھے۔ ایک دِن غُل مچا کہ مرتاد شاہ نام کا ایک شخص دو لاکھ سواروں کے ساتھ امیر حمزہ کی ملاقات کو آیا ہے۔ حمزہ نے اپنے چند سرداروں کو اُس کے اِستقبال کے لیے بھیجا۔ جب مرتاد شاہ بارگاہ میں آیا تو امیر حمزہ نے کُرسی سے اُٹھ کر اُس کا ہاتھ تھاما۔ مرتاد نے حمزہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور سر جھکا کر کہنے لگا۔

”میں بُہت عرصے سے آپ کی ملاقات کا شوق رکھتا تھا۔ خُدا نے آج یہ آرزو پُوری کی۔“

”خُوش آمدید، خُوش آمدید۔“ امیر حمزہ نے کہا۔ ”ہم تمہارے آنے سے

خُوش ہُوئے۔"

اِس کے بعد اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ یکایک امیر حمزہ نے دیکھا کہ مرتاد شاہ کے گلے میں ایک تعویذ سا پڑا ہے جِس پر کالے حروف میں کوئی عبارت لکِھی ہے۔ اُنہوں نے پُوچھا۔

"اے مُرتاد، یہ تعویذ کیسا ہے اور اِس پر کیا لکھا ہے؟"

یہ سُن کر مرتاد نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگا۔ "اے امیر، اس کی کہانی عجیب ہے۔ آپ سُننا پسند کریں تو عرض کرتا ہُوں۔ میرے گھر میں اولاد نہ ہوتی تھی۔ بڑی دُعائیں کیں اور منّتیں مانیں۔ آخر خُدا نے میری دُعا سُن لی۔ مُدّت بعد ایک بیٹا ہُوا۔ میں اُسے نہایت عزیز رکھنے لگا۔ آہستہ آہستہ یہ لڑکا جوان ہُوا تو اُسے شکار کھیلنے کا جنون ہو گیا۔ دِن رات جنگلوں اور صحراؤں کی خاک چھانتا۔ ایک دِن جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کہ ایک ہرن سامنے آیا۔ میرے بیٹے نے اُس پر تیر چلایا۔ ہرن زخمی ہو کر بھاگا۔ یہ بھی اُس کے تعاقب میں چلا۔ میرے شہر سے کوئی پچاس میل دُور ایک سرسبز باغ ہے۔

اُس کے چاروں طرف ایک عجیب طِلسم بنا ہُوا ہے۔ جسے ”نادِر فرنگ“ کہتے ہیں۔ میرا بیٹا اِس طِلسم میں داخل ہو گیا۔ مجھے خبر ملی تو سخت تشویش ہُوئی اور میں بھی وہاں چلا گیا۔ اس طِلسم میں سامنے سے ایک قلعہ دِکھائی دیتا ہے۔ جِس میں تین درجے ہیں۔ پہلا لوہے کا، دوسرا چاندی کا اور تیسرا سونے کا ہے۔ اِس درجے میں سینکڑوں خُوش نُما مکان ہیں۔ بیچ میں ایک مکان نہایت وسیع ہے، ہر مکان پر ایک مور بیٹھا ہے۔ سب سے بڑے مکان پر ایک بڑا مور ہے اور الماس کا بنا ہُوا ایک چاند اُس مکان پر چمکتا ہے جِس کی روشنی بارہ میل تک پھیلتی ہے۔ کوئی شخص اُس روشنی کے سامنے آنکھیں نہیں کھُول سکتا۔ مکان کے چاروں طرف ایک گہری خندق ہے جِس میں پارے کی مانند سفید پانی ہر وقت موجیں مارتا ہے۔ سُنا ہے کہ جو جان دار اِس پانی میں گِر جائے، آناً فاناً بھُن جاتا ہے، اِسی خندق کے ایک کنارے لکڑی کا تختہ لگا ہے جس پر لِکھا ہے۔

”اے راہ گیر، یہ طِلسم نادر فرنگ ہے۔ اِس میں ہزاروں قسم کے عجائبات اور

خزانے جمع ہیں۔ جو شخص اِس طِلسم کو فتح کرے گا، یہ تمام عجائبات اور خزانے اُسی کی ملکیت ہُوں گے۔ اے راہ گیر، اگر تُو اِس طِلسم کو فتح کرنا چاہتا ہے تو دائیں جانب رکھے ہوئے تاشے پر لکڑی مار۔ پھر اِس خندق پر ایک پُل نمودار ہو گا اور تُو باغ کے اندر جا سکے گا۔"

"اے امیر، اُس وقت تک میرا بیٹا طِلسم میں نہ گیا تھا بلکہ خندق کے کنارے کھڑا یہ تحریر پڑھ رہا تھا، میں وہاں پہنچ گیا۔ میں نے اُسے سمجھانے اور روکنے کی بڑی کوشش کی مگر وُہ نہ مانا اور تاشے پر چوٹ مار دی۔ ڈھول کی آواز ابھی فضا میں گونجی ہی تھی کہ خندق پر ایک خُوب صُورت پُل خُود بخُود بن گیا اور میرا بیٹا اُس پُل پر سے گزرتا ہُوا دوسری جانِب پہنچ گیا۔ اُس وسیع مکان کی کئی سیڑھیاں تھیں جو باغ کے بالکُل بیچ میں بنا ہُوا تھا۔ جُونہی میرے بیٹے نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا، ہزاروں سپاہی تلواریں ہاتھوں میں لیے نمودار ہوئے۔ اُن کی وردیاں سُرخ بانات کی تھیں جِن پر کلابتوں کا اعلیٰ کام تھا۔ دُھوپ میں یہ وردیاں خُوب چمک رہی تھیں۔ اِن سپاہیوں نے میرے بیٹے کو سلامی دی۔

اِس کے بعد جب اُس نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو یہ سپاہی غائب ہو گئے اور اُن کی جگہ دوسرے سپاہی نمودار ہوئے جِن کی وردیاں سیاہ مخمل کی تھیں اور اُن کے ہاتھوں میں ہر قسم کے عجیب و غریب باجے تھے۔ اِن سپاہیوں نے بھی میرے بیٹے کو سلامی دی اور باجے بجانے لگے۔ جب اُس نے تیسری سیڑھی پر پاؤں رکھا تو یہ سپاہی بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور آسمان سے ایک سنہری تخت اُترا جس کے پائے چار پریوں نے تھام رکھے تھے۔ اِس تخت پر جواہرات سے بنی ہوئی ایک کرسی پر کوئی شہزادی بیٹھی تھی جِس کا حُسن چاند تاروں کو شرماتا تھا۔ دو خادمائیں اُس شہزادی کے پیچھے ادب سے کھڑی مورچھل جھل رہی تھیں اور ایک کنیز قدموں میں بیٹھی پیر دبا رہی تھی۔

شہزادی میرے بیٹے کی طرف دیکھ کر ہنسی، اور اِشارے سے کہا کہ اگلی سیڑھی پر قدم رکھو۔ اُس نے چوتھی سیڑھی پر پیر رکھا۔ اُسی لمحے مکانوں کی چھتوں پر رکھے ہُوئے مور پَر اور دُمیں پھیلا کر ناچنے لگے۔ پھِر اِن کی دُموں سے آتش بازی سی چھوٹنے لگی اور چونچوں سے پانی کے قطرے موتی بن بن

کر گرنے لگے۔ جو مور سب سے بڑا تھا، اُس کے مُنہ سے انڈے کے برابر موتی گِر رہے تھے۔ پھر گھوڑوں پر سوار ایک فوجی دستہ آیا اور اُس کے افسروں نے اپنی اپنی ٹوپیاں اُٹھا کر میرے بیٹے کو سلام کیا۔"

"اس کے بعد یہ منظر غائب ہو گیا اور میرے بیٹے نے پانچویں سیڑھی پر قدم رکھا۔ یکایک آسمان پر ایک روشنی سی کوندی اور اُس میں سے چاندی کی مانند سفید ایک کشتی نمودار ہو کر نیچے آئی۔ اس میں سے بھی ایک شہزادی اُتری۔ وُہ پہلی شہزادی سے بھی زیادہ خوب صُورت تھی۔ کشتی سے اُتر کر اُس نے میرے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور مکان کے اندر لے گئی۔ یہ نہایت عالی شان مکان تھا، جِس کے صحن میں سینکڑوں فوّارے چل رہے تھے۔ اسی صحن میں اِس شہزادی نے میرے بیٹے کو ایک تخت پر بٹھایا اور اُس کے سامنے کُچھ پھل رکھے، میرے بیٹے نے جُونہی ایک پھل اُٹھا کر مُنہ میں رکھا، ایک دھماکہ ہُوا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور ایسا بھیانک شور سُنائی دیا کہ میرا رواں رواں کانپنے لگا۔ بُہت دیر بعد وُہ اندھیرا دُور ہُوا لیکن مجھے نہ وُہ شہزادی نظر آئی نہ

میرا بیٹا دِکھائی دیا۔ البتّہ جو منظر پہلے سے موجُود تھا وہی دِکھائی دِیا۔ خندق پر بنا ہُوا پُل بھی غائب ہو چُکا تھا۔ تب میں روتا اور خاک اُڑاتا ہُوا شہر میں واپس آیا اور یہ تمام داستان اپنی زبان میں لکھوا کر اِس تعویذ کے اندر رکھی تا کہ بھُول نہ جاؤں۔ ایک روز کِسی سوداگر نے آپ کا ذکر کیا۔ میں حضور کی تعریف سُن کر بے چین ہُوا اور یہاں تک پہنچا۔ اگر میری قسمت میں ہو گا تو آپ ضُرور مدد فرمائیں گے اور میرے فرزند کو مجھ سے ملائیں گے۔"

امیر حمزہ نے مرتاد شاہ کو بہُت دِلاسے دیے اور کہا "بھائی، غم نہ کرو۔ اللہ نے چاہا تو ہم تمہارے بیٹے کو تُم سے مِلائیں گے اور اِس طلِسم کو فتح کریں گے۔"

مرتاد شاہ امیر حمزہ کے قدموں کو چُوم کر بولا۔ "آپ کا یہ احسان مرتے دم تک نہ بھُول سکوں گا۔"

چند روز بعد امیر حمزہ نے طلِسم نادر فرنگ کی جانب کُوچ کرنے کا حکم دیا۔ مرتاد شاہ بھی ہمراہ تھا۔ جب اُس خندق کے پاس پُہنچے تو امیر نے وہی منظر دیکھا جو مرتاد شاہ نے بیان کیا تھا۔ اُنھوں نے ایک فرنگی قیدی کو طلب کر

کے حکم دیا۔

"اِس ڈھول کو اُنگلی سے بجادے۔"

اُس نے ایسا ہی کیا۔ فوراً خندق پر پُل نمودار ہُوا اور اُس کے بعد وُہ تمام واقعات پیش آئے جو مرتاد شاہ نے سُنائے تھے۔ آخری منظر میں جونہی اُس فرنگی نے پھل اُٹھا کر مُنہ میں رکھا، وہی دھماکہ ہُوا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ بُہت دیر بعد اندھیرا دُور ہُوا تو دیکھا نہ وُہ فرنگی ہے اور نہ وُہ شہزادی۔ امیر حمزہ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیا جادو ہے اور اِسے کیوں کر فتح کیا جا سکتا ہے۔ اِسی اُدھیڑ بُن میں کئی دِن نِکل گئے۔ چوتھے روز امیر حمزہ نے خُود ڈھول پر لکڑی مارنے کا اِرادہ کیا ہی تھا کہ عُمرو قدموں میں لپٹ گیا اور کہنے لگا۔

"اے حمزہ، جلد بازی سے کام نہ لو۔ اگر اس طِلِسم کی فتح تمہارے مُقدّر میں لکھی ہے تو ضُرور کوئی بشارت ہو گی۔ جب یہ بشارت مِل جائے تب اِس طِلِسم کے اندر جانے کا اِرادہ کرنا ورنہ تُم ہمیشہ کے لیے ہم سے جُدا نہ ہو جاؤ۔"

امیر حمزہ کو عُمرو کی بات میں کُچھ وزن محسوس ہُوا۔ کہنے لگے۔ ”اے عُمرو، ٹھیک کہتا ہے۔ ہم رات کا اِنتظار کریں گے۔“

رات ہوئی تو امیر حمزہ نے زمین پر کپڑا بچھایا اور عبادت میں مصرُوف ہُوئے۔ صُبح ہونے نہ پائی تھی کہ اُن کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان کی جانب سے زمین پر ایک تخت آیا۔ اُس پر ایک نورانی صورت بزُرگ بیٹھے تھے۔ امیر حمزہ نے اُنہیں سلام کیا۔ اُن بزُرگ نے سلام کا جواب دیا، اور پُوچھا۔

”اے فرزند، کیا اِرادہ ہے؟“

امیر حمزہ نے عرض کی ”حضرت، طلِسم نادِر فرنگ کو فتح کرنے کا خیال ہے۔ آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ میرے نام اِس کی فتح ہے یا نہیں؟“

بزُرگ نے مُسکرا کر کہا۔ ”بے شک، یہ طلِسم تمہارے نام ہر فتح ہو گا، کیوں کہ اِسے فتح کرنے والے میں جِن خُوبیاں کا ہونا ضُروری ہے، وُہ سب تُم میں

موجود ہیں۔ مگر ایک خاص تختی تمہارے پاس نہیں ہے۔ اِس تختی کے بغیر اگر ایک لاکھ آدمی بھی طلِسم کو فتح کرنے جائیں گے تو ناکام ہوں گے۔ بہر حال، تُم گھبراؤ نہیں۔ یہ ایک خط تمہیں دیتا ہوں، اِسے سنبھال کر اپنے پاس رکھو اور دائیں جانب سفر کرو۔ جب کئی کوس دُور نِکل جاؤ تو ایک بُلند ٹیلا آئے گا۔ اِس ٹیلے پر ہاتھ رکھ کر اِس خط کا پہلا اِسم تین سو مرتبہ پڑھنا۔ یکایک وُہ ٹیلہ اُڑ جائے گا اور اُس کی جگہ ایک غار نمودار ہو گا۔ تُم بِلا کھٹکے اِس غار میں داخل ہو جانا۔ پھِر ایک صحرا نظر آئے گا۔ جِس کے درمیان ایک لمبا چوڑا تالاب ہو گا۔ پانی کے اندر بے شمار مگر مچھ مُنہ کھولے تیر رہے ہُوں گے۔ تالاب کے بالکُل بیچ میں ایک مینار ہے۔ تُم اپنے آپ کو اِن مگر مچھوں سے بچا کر ایسی چھلانگ لگانا کہ اِس مِینار تک پہنچ سکو۔ اگر تمہارے جسم کا یا کپڑوں کا کوئی حِصّہ بھی اِن مگر مچھوں سے چھُو گیا تو قیامت تک تمہاری رہائی محال ہے۔ "

یہ کہہ کر وُہ بزُرگ غائب ہو گئے۔ امیر حمزہ کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ سرہانے

ایک خط پڑا ہے۔ اُنہوں نے اُس خط کو چوما اور حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیا اور سب دوستوں سے اِس مُبارک خواب کا حال بیان کیا، سب کو خُوشی ہوئی۔

امیر حمزہ نے کہا۔

"اچھّا دوستو، اب میں جاتا ہُوں۔ خُدا حافظ۔"

طِلسم نادر فرنگ کی حیرت انگیز دُنیا۔۔۔ امیر حمزہ آفتوں میں پھنس جاتے ہیں شہزادہ عَلَم شاہ اُن کی مدد کو پہنچتا ہے۔۔۔۔ اِنتشار شاہ اور شُعلہ جادُو کی موت۔۔۔۔ عُمرو کی عیّاریاں۔۔۔ اس داستان کے دسویں آخری حِصّے

"امیر حمزہ کی آخری مُہم"

میں پڑھیے۔